جملہ حقوق محفوظ

اپریل سنہ ۱۹۰۹ء

ایڈیٹر شیخ عبد القادر
شیخ محمد اکرام

مخزن

اردو زبان علم ادب کی دلچسپیوں کا مجموعہ

نثر

تصویر — تسلیم و احسان
ہندوستان کا اثر انگلستان پر — شیخ عبد القادر بی اے ۱
روح کی بیداری — مولوی فدا علی خاں صاحب ایم اے از بڑودہ ۹
اصول صورت — مولوی سید اشرف حسین صاحب بی اے
اگلے لوگ — مولوی عبد الرشید صاحب الخیری ۲۴
اساطیر — سید محمود حسین صاحب جعفری ۳۹
کلیات اکبر — شیخ عبد القادر بی اے ۴۷
انقلاب — سلطان حیدر صاحب جوش ۴۸
کھنڈرات مارتنڈ — ایک طالب علم از کشمیر ۵۰

نظم

بلادِ اسلامیہ — ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا ۵۷
ارمغان ناظر — چودھری خوشی محمد خانصاحب ناظر بی اے ۵۹
تربت جاناں — سید غلام بھیک صاحب نیرنگ بی اے ۶۱
آسمان — منشی کندن لال صاحب شرر سہارنپوری ۶۴
تصویری پوسٹ کارڈ کے جواب میں — صحرائی ۶۵
کوئل — شیخ غلام محمد صاحب طور ۶۶
کوزۂ قند — بیان یزدانی مرحوم ۶۷
فعل حکیم — سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین ۶۹
تازہ غزلیں — شوق، بسمل، محشر، فصیح، تصغیر .... ۷۱ - ۷۲

دس کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں اور اسیقدر ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں
۰ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے ۰ ان شہروں میں اردو مروج ہے ۰ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے

باہتمام شیخ محمد اکرام مخزن پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ستم دوم ۶ آنے فی پرچہ ۸ ۱۰

اردو خواں اشخاص کیلئے ایک نعمت غیر متر

جناب ڈاکٹر میجر سید حسن بلگرامی ایم ڈی آئی ایم ایس ریٹائرڈ پنشن یافتہ مقیم لنڈن فرماتے ہیں کہ مخزن
کو دیکھکر میں نہایت خوش ہوا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب عام لوگوں کیلیے مفید ثابت
یہ نہایت قابلیت سے لکھی ہوئی ہوم میڈیسن یعنی طب خانگی پر ایک مفید عام اور مکمل کتاب
اشخاص کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی جہانتک مجھے معلوم ہے **مخزن حکمت**
میں اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے جسکی تصنیف کیلئے میں قابل مصنف کو تہ دل سے مبارکباد

مخزن حکمت ایک مفید عام تصنیف ہے

جناب حاذق الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب رئیس اعظم دہلی و سکرٹری مدرسہ طبیہ دہلی
"مخزن حکمت" ایک مفید عام تصنیف ہے اور مجھے امید ہے کہ پبلک اسکی قدر کرکے لائق مصنف
داد دینے میں بخل نہیں کریگی۔ اس کتاب میں تطبیق امراض کا مشکل کام بڑی خوبی سے
گیا ہے اور اسکے حصہ دوم میں متعدی امراض کا جو ایک علیحدہ باب ہے وہ علم الجراثیم کی جدید تحقیق
کا نتیجہ ہے اور خاص طور پر قابل امتیاز ہے جسکا مطالعہ اطباء یونانی کیلئے بھی مفید ثابت

مخزن حکمت کا ہر ایک گھر میں ہونا ضروری

عالیجناب مولوی رحیم بخش صاحب سی آئی ای پریذیڈنٹ ریاست عالیہ بہاولپور
"مخزن حکمت" فی الحقیقت ایک نہایت ہی مفید عام کتاب ہے جن لوگوں نے طب خانگی پر انگریزی
نہیں پڑھیں انکے لیے یہ کتاب بہت ہی مفید ثابت ہوگی میرے خیال میں ہر گھر اور ہر خاندان میں ایسی
کتاب کا ہونا ضروری ہے۔ حجم کتاب ۳۳۶ صفحات قیمت مع جلد ولایتی للعہ چار روپیہ آٹھ

ملنے کا پتہ دفتر جناب شمس الاطباء لاہور

مخزن

ہندوستان کا اثر انگلستان پر

انگلستان نے جو اثر ہندوستان پر ڈالا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہم روز قدم قدم پر اپنے گرد وپیش اُسکی شہادتیں موجود پاتے ہیں۔ کوئی گھر ایسا ہوگا جس میں کچھ نہ کچھ نشانات انگریزی تہذیب کی تقلید کے نہ پائے جائیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے پُرانی وضع کے گھرانوں میں بھی لڑکیوں کے جہیز تک میں ایک حصہ انگریزی سامان کا آنے لگا ہے۔ میز کرسی انگریزی وضع کا آئینہ چار کا سِٹ وغیرہ چیزیں تو معمولی ہوگئیں اور ہر کہ ومہ اُنکی ضرورت سمجھنے لگا ہے۔ جو ذرا اور متمول ہیں وہ نہایت شوق سے گھروں کو انگریزی فرنیچر سے سجاتے ہیں۔ کمروں کے نام انگریزی رکھتے ہیں کھانا انگریزی طریق سے کھانے لگے ہیں۔ پوشاک انگریزی پہنتے ہیں اور اُن کے دیکھا دیکھی اور لوگوں کے سر میں بھی یہی سودا سماتا جاتا ہے۔ اور تو اور زبان تک کو انگریزی اثر نے بدل دیا ہے۔ سیکڑوں انگریزی لفظ تو روزمرہ کی بول چال میں شامل ہوکر جزو زبان بن گئے ہیں۔ اور عالم وجاہل سب اُنہیں استعمال کرتے ہیں۔ بہت سے لفظ ایسے ہیں کہ اُنکے لیئے ہماری زبان میں نہایت وسیع اور نہایت آسان اور نہایت مختصر لفظ موجود ہیں۔ اِسپر بھی انگریزی کے رواج کی کثرت کے سبب سے لوگ عام طور پر اپنے لفظوں کی جگہ انگریزی لفظوں ہی کو زیادہ کام میں لاتے ہیں۔ میز کو ٹیبل کہنا وقت پوچھنا ہو تو ٹائم پوچھنا ایسی مثالیں ہیں کہ ہر شخص کو مستحضر ہونگی۔ اور اسلیئے زیادہ مثالیں

دینے کی ضرورت نہیں۔

اس عام میلان کے تین بڑے سبب ہیں۔ سب سے اوّل یہ کہ صاحب حکومت کا اثر محکوم جماعت پر بہت زبردست ہوتا ہے۔ رعایا کا تخیل اکثر اپنے حکمرانوں کی عادات و رسوم کے متعلق یہ ہوتا ہے کہ یہ عادات و رسوم حکومت کا جزو ہیں اور انکے اختیار کرنے سے گویا ہم عزت کے مدارج میں سے چند درجے طے کرتے ہیں۔ موجودہ حکمرانان ہندوستان کا عالمگیر اقبال اور بڑھا ہوا اقتدار اس خیال کو اور بھی مضبوط کرتا ہے "ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است" ایک بہت پرانا مقولہ ہے۔ مگر اسوقت بھی ایسا ہی سچا ہے جیسا کہ اُسوقت تھا جب یہ زبان زد خاص و عام ہوا۔ اور اسی سبب سے ہر انگریزی چیز آجکل پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے جو بُری بھی ہے وہ ہماری نگاہوں میں اچھی اور جو اچھی ہے وہ تو بہتر اور برتر نظر آتی ہے۔ دوسرا سبب ان چیزوں کی جدّت ہے۔ ہر نئی چیز زیادہ دلچسپ اور دلپسند معلوم ہوتی ہے۔ اور اس اُصول کے موافق اگر انگریزی حکومت ہندوستان میں نہ بھی ہوتی تو بھی یہ چیزیں کم و بیش رواج پا جاتیں۔ اور اسی وجہ سے اُن ایشیائی ملکوں میں جہاں ابھی ایشیائی حکومت باقی ہے انگلستان اور دیگر ممالک یورپ کا مال بکثرت جاتا اور بکتا ہے۔ تیسرا سبب وہ حُسن ظاہری اور چمک ہے جو یورپ کی صنائع کا خاصہ ہے۔ ذراسی چیز کو چاہے اُسے کوڑیوں کے مول بیچنا ہو یورپ کے تاجر اپنی کلوں کے ذریعہ ایسی چلادیتے ہیں کہ دیکھنے والا ایک دفعہ تو پھڑک جاتا ہے۔ اور ایسی چیزیں بھی خرید لیتا ہے جن کی اُسے زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔

ہم پر مذکورہ بالا اسباب سے یورپ کا جسقدر اثر ہو کم ہے۔ یہ بھی جو آہستہ آہستہ اثر ہوا اس وجہ سے تھا کہ ہم لوگ بالطبع قدامت پرست ہیں۔ اور اپنی پُرانی چیزوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ تغیّر اور تبدّل سے ہمکو ایک قسم کی نفرت ہے۔ باوجودیکہ

پشتہا پشت سے یہ دریافت کر چکے ہیں کہ زمانہ انقلاب پسند ہے اور آئے دن تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اسپر بھی بجائے اسکے کہ خود زمانہ کی ہوا کے ساتھ چلیں صدیوں سے زمانہ کو کوستے چلے آتے ہیں اور یہ تماشا ہو رہا ہے کہ نہ وہ اپنی خو بدلتا ہے نہ ہم اپنی خو بدلتے ہیں۔ غرض ہم تو اس طرح بحیثیت محکوم ہونے کے اثر پذیر اور بحیثیت قدامت پسند ہونیکے تاثر سے خالی چلے جاتے ہیں۔ اور اس کشمکش میں ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ انگلستان بھی ہم سے کچھ اثرات لیئے بغیر نہیں رہ سکا۔

قوانین قدرت کے اسرار بھی عجیب ہیں۔ اور قومیں اُنکے آگے ایسی ہی مجبور ہیں جیسے افراد انسانی۔ فرض کیجیے۔ دو شخص کچھ عرصہ تک باہم ملیں جنمیں ایک زبردست ہو ایک کمزور۔ ایک کا دل و دماغ قوی ہو ایک کا ضعیف۔ تو بھی یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جہاں زبردست کا اثر کمزور پر پڑا وہیں تھوڑا بہت کمزور نے بھی اپنے رفیق کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اسیطرح اقوام کی حالت ہے۔ ممکن نہیں کہ کسی قوم کا سابقہ کسی دوسری قوم سے پڑے اور وہ اُس سے متاثر ہونیسے بالکل بچ جائے۔ انگریزوں نے اس قانون قدرت کو مدنظر رکھ کے اور اُنسے پہلے جن قوموں کو ہندوستان سے سابقہ پڑا اُن کی حالت صفحات تاریخ سے مطالعہ کرکے یہ تہیہ کر لیا کہ ہم قانون قدرت کی اس زد سے بچیں اور بہت کچھ بچے بھی۔ یہاں آکر رہنے اور ہندوستان کو اپنا گھر بنانے کا قصد تو انکی قوم کے کسی فرد نے آجتک کیا ہی نہیں۔ افریقہ امریکہ اور آسٹریلیا سب جگہ جا کر رہتے ہیں اور آباد ہو جاتے ہیں۔ مگر ترک لازم ہے تو ہندوستان کا جو معدودے چند ضروریات ملکداری یا کاروبار کی وجہ سے برسوں کے لیئے یہاں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ بھی شہروں سے دور جنگل میں منگل مناتے ہیں۔ موسم گرما میں پہاڑوں پر انگلستان کی طرز معاشرت کا نمونہ پیدا کرتے ہیں۔ اور اس پہ

قناعت نہ کرکے ہر دوسرے تیسرے برس انگلستان کو دوڑ جاتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے ملک کی یاد اور وہاں کی عادات کا اثر تازہ رکھتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کوشش ہوتی ہے کہ انگلستان کے تازہ ترین فیشن یہاں رواج پائیں اور وہ یہاں بیٹھکر وہی زندگی بسر کریں جو اُن کے ہموطن انگلستان میں کر رہے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی یہ ہی اہتمام کیا جاتا ہے اور کوئی معزز اور متمول انگریز گوارا نہیں کرتا کہ اُسکے بچے ہندوستان میں تعلیم پائیں۔ چھوٹی سی عمر میں اُنہیں انگلستان بھیجدیا جاتا ہے۔ اُنکی جدائی منظور کی جاتی ہے۔ مگر یہ نہیں پسند کیا جاتا کہ وہ یہاں کی خو بو سیکھیں۔ مگر ان سب احتیاطوں پر کچھ تھوڑا سا اثر ہمارا ابھی انگلستان تک پُہنچ گیا ہے۔ اور رفتہ رفتہ منتقل ہوتا جاتا ہے۔ اِسے کم نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ وہ اِسی اُصول کا جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے ایک بیّن ثبوت ہے اور صاف ظاہر کرتا ہے کہ کوئی دو قومیں جو آپس میں ملیں ایک دوسری پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتیں +

کیا ہے ایک دست آرزو نے وار دو جانب　　زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

غور کرنے والے کو جو چیز آجکل انگلستان میں غیر معمولی نظر آتی ہے مختلف رنگوں کا شوق ہے۔ جن لوگوں نے آج سے بیس برس پہلے انگلستان کو دیکھا تھا اور اب دوبارہ وہاں گئے ہیں۔ مجھے اُن سے معلوم ہوا کہ وہاں پہلے مرد تو مرد عورتیں بھی شوخ رنگ کپڑا نہیں پہنتی تھیں۔ اول تو سیاہ رنگ کے سوا کسی رنگ کا کپڑا وہاں مقبول ہی نہیں اور ہر موقع پر خواہ شادی ہو خواہ غمی۔ اِس رنگ سے زیادہ تر کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی رنگ کا شوق کرے بھی تو اکثر صوفیانہ رنگ پسند کیئے جاتے تھے نتیجہ اِسکا یہ تھا کہ کسی مجمع میں سوا سیاہ پوشی کی کثرت کے کچھ نظر نہیں آتا تھا اور وہ انگریز اور میمیں جو ہندوستان کو دیکھتے تھے اور یہاں کے گلی کوچوں اور

بازاروں میں اور میلوں کے موقعوں پر لوگوں کو رنگارنگ کے لباسوں میں ملبوس پاتے تھے ہمارے اِس شوق کی بہت تعریف کرتے تھے۔ اور اسی بنا پر بلادِ شرق کو شاندار خوش رنگ اور چمکیلا بیان کرتے تھے۔ مگر اب انگلستان میں بھی موسم بہار میں کسی گروہ پر نظر ڈالی جائے جو دن کے وقت ساحلِ بحر (کنارِ دریا) یا کسی اور مقامِ تفریح پر جمع ہو تو لباسوں کی رنگینی کے اعتبار سے وہ کسی مشرقی گروہ سے بہت پیچھے نہیں رہیگا۔ عورتیں تو رنگ کی انتہا سے زیادہ شائق ہوتی جاتی ہیں اور اودا اور بنفشئی رنگ نہایت مرغوب ہے۔ بلاؤس[1] بنفشئی۔ گون[2] بنفشئی۔ ٹوپی ہم رنگ ٹوپی پر پھول بنفشئی چہرے پر ہلکی جالی کی نقاب اُسکا بھی بنفشئی رنگ۔ اور دھوپ کے بچاؤ کے لیئے اگر سن شیڈ[3] ہاتھ میں ہے تو وہ بھی بنفشئی ریشم کا۔ اِسکے سوا اور بھی طرح طرح کے رنگ عورتوں میں مقبول ہوتے جاتے ہیں۔ پیازی آسمانی سبز اور بعض بعض جگہ سُرخ۔ یہ میلان روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں تک کہ مرد جو نسبتاً سادہ وضع کے پابند ہیں رفتہ رفتہ رنگینی کی طرف مائل ہونے لگے ہیں۔ فوق البھڑک صدری پہننا اب ایک معمولی بات ہوگئی ہے۔ اور ٹائی شوخ رنگ کی تو اب بڑے بڑے متین آدمی بھی پہننے لگے ہیں۔ دکانوں کی آئینہ دار کھڑکیاں آجکل رنگین کپڑوں سے مزین ہیں۔ اور کئی جگہ اُن میں جاپانی ریشم کے چوغے جنپر رنگارنگ کے نقش و نگار ہیں لٹک رہے ہیں۔ اکثر صاحبان اِن چوغوں سے ڈریسنگ گون[4] کا کام لیتے ہیں۔ یعنی رنگین کپڑے پہننے کا شوق جو طبیعتوں میں پیدا ہوگیا ہے اُسے گھر کی چار دیواری کے اندر پورا کرتے ہیں اور باہر اپنی معتاد مُلکی وضع کی پابندی قائم رکھتے ہیں۔

زنانہ لباس میں ایک چیز کچھ عرصہ سے رواج پا چلی ہے جو قطعی ہندوستانی ہے۔

---

[1] زنانہ کرتہ [2] سایہ [3] ہلکی ریشمی چھتری جو صرف آفتاب کی شعاعوں سے بچاؤ کے لیئے لگائی جاتی ہے۔

[4] وہ کھلا چوغہ جو انگلستان میں صبح شام معمولی کپڑے اُتارنے کے وقت پہنا جاتا ہے اور جسکے نیچے رخت خواب چھپا رہتا ہے۔

یعنی دوپٹہ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ لیڈیاں یہاں کی طرح اُسے اوڑھتی نہیں بلکہ کندھوں پر ڈال لیتی ہیں۔ اِس طرح سے کہ اُسکے دونوں پلے آگے لٹکتے رہتے ہیں۔ نفیس بنارسی ململ کے۔ طرح طرح کے بیل بوٹے دار اور کاڑھے ہوئے دوپٹے عام ہوتے جاتے ہیں اور موسم گرما کے لباس کا ایک جزو بن چلے ہیں۔ بعض خاص موقعوں پر دوپٹے اوڑھے بھی جانے لگے ہیں۔ ایک دفعہ مکتی فوج کا ایک نہایت عالیشان جلسہ لندن میں ہوا۔ جسمیں عام حاضرین کے علاوہ چھ ہزار زن و مرد فوج کی مختلف شاخوں کی طرف سے دور دور سے آکر شریک ہوئے۔ اُس جلسہ میں جنرل بوتھ نے جو اس مذہبی فوج کا بانی اور سپہ سالار ہے۔ اپنی فوج کی عورتوں کو جن کی تعداد کوئی تین ہزار کے قریب ہوگی باریک ململ کے رنگے ہوئے دوپٹوں سے سجایا تھا۔ ہر نشست پر ایک رنگا ہوا دوپٹہ پہلے سے رکھدیا گیا تھا۔ اور یہ عورتیں آتے ہی اپنی ٹوپی اُتار کر کرسی کے نیچے رکھ دیتی تھیں اور دوپٹہ اوڑھ لیتی تھیں۔ اُن کے گورے رنگوں پر سبز اور بسنتی دوپٹے عجب بہار دیتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنرل بوتھ نے اپنے جلسہ کا منظر کسی آسمانی دنیا میں منتقل کر لیا ہے۔ اور جو نیک عورتیں وہاں جمع ہیں وہ اُس دنیا کے فرشتے یا حوریں ہیں۔ بوڑھے جرنیل کی جہاندیدہ نگاہ نے جو اس جلسہ کی شان بڑھانے کے واسطے دنیا بھر کے لباسوں سے اِس ہندوستانی وضع کو انتخاب کیا۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہماری بعض چیزیں بتدریج انگلستان کے دلوں میں گھر کرتی جاتی ہیں خواہ ہم خود اُن سے کتنے ہی نفور ہوتے جائیں ؛

انگلستان کے مذاق میں جو تغیر تدریجاً پیدا ہو رہا ہے۔ وہ کچھ لباس تک ہی محدود نہیں۔ کھانے کی چیزوں میں بھی اُسکا اثر نظر آتا ہے۔ قلیہ جسے انگریز

کری کہتے ہیں۔ اب انگلستان کے ہوٹلوں میں اکثر تیار ہونے لگا ہے۔ اور بہت سے گھروں میں بھی رواج پا گیا ہے۔ اور یہ گھر نہ صرف اُن انگریزوں کے گھر ہیں جو ہندوستان میں رہ چکے ہیں بلکہ ایسے گھرانے بھی جنھیں کبھی یہاں آنے کا اتفاق نہیں اِس غذا کا شوق کرنے لگے ہیں۔ اِسکے پکانے کا مصالحہ ٹین کے ڈبوں میں بند ہوکر مہنگے داموں بکتا ہے۔ حالانکہ اسمیں بڑا جزو فقط ہمارے ہاں کی پسی ہوئی ہلدی ہے۔ اِسکے علاوہ بہت سے انگریزی مطبخ پلاؤ سے آشنا ہو گئے ہیں۔ اور کباب سے بھی ناواقف نہیں رہے۔ ہندوستانی مٹھائیاں بھی کہیں کہیں پہنچنے لگی ہیں۔ اور ہندوستان کا مشہور میوہ آم بھی ہاں اپنا سکہ جماتا جاتا ہے آم کی چٹنی اور آم کا مربہ تو آسانی دکانوں میں مل سکتے ہیں۔ مگر اب کہیں کہیں آم کا اچار بھی پسند ہونے لگا ہے +

یہ اثرات جن کا ذکر مثالاً کیا گیا ہے۔ انگلستان کی مجموعی قومی زندگی اور اُسکی مستقل رفتار کے مقابلہ میں گو خفیف نظر آئیں۔ تاہم باعتبار آئندہ تغیرات کے نشانوں کے خفیف نہیں۔ خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ خیالات تک بھی ہندوستان کا اثر پہنچ رہا ہے۔ آزادی، مساوات اور حقوق کے خیالات جو صدیوں سے اہل انگلستان کی گھٹی میں پڑے ہیں ضرور اب تک باقی ہیں۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اکثر امرا اور مدبرین پر حکومت پسندی کا مذاق غالب آتا جاتا ہے۔ اور شوقِ جہانبانی جسے سیاسی اصطلاح میں **امپیریلزم** سے تعبیر کرتے ہیں۔ دماغوں میں سما کر آزادی اور مساوات کے تخیل کو مغلوب کرتا جاتا ہے۔ یہ خاص اثر ہمارے نزدیک قابلِ ستایش نہیں۔ لیکن یہاں ہمیں اچھائی یا برائی سے بحث نہیں۔ بلکہ اُس سے غرض یہ ہے کہ امر واقع کیا ہے۔ اب تک جو اثر ہندوستان نے انگلستان پر ڈالا۔ اُس میں ہماری

ہمت یا کوشش کو کوئی دخل نہیں۔ اگر ہم اُن بے شمار مواقع سے پورا فائدہ اُٹھائیں جو انگلستان پر اثر ڈالنے کیلئے ہمیں حاصل ہیں تو ان اثرات کی رفتار زیادہ تیز ہو سکتی ہے اور نتائج کی اہمیت بھی اُسی نسبت سے بڑھ سکتی ہے۔

عبدالقادر

غزل

پائے کوباں چوں نہ رقصم بر درِ میخانہ ہا
عکس یارم مے فتد ہر لحظہ در پیمانہ ہا

عدل و انصافے چنیں باید ببیں اے محتسب
گشت یک جا آب و آتش کاندریں خمخانہ ہا

گر نویسم شمۂ از احوال دردِ خویشتن
کم شود نزدِ مبصر قدر ایں افسانہ ہا

در حریم کعبہ رفتن حاجتم زنہار نیست
چوں ادا کردم بہ پیش ابروت شکرانہ ہا

چوں نہ گنجی بز زمین و آسماں در حیرتم
اندرونِ سینہ ام کردی چساں کاشانہ ہا

از کجا آموختی اے ترک ایں جادوگری
صید شد مرغ دلم در دام تو بیدانہ ہا

ہمچو مجنوں پیش تو رفتند صدہا عاشقاں
تو نئی تنہا مظفر مرد ریں ویرانہ ہا

اخترمنظر

روح کی بیداری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

اَسل کا حیّ کے جزیرہ میں آنا

اَسل اُس جزیرہ کے حالات سُن چکا جسمیں مشہور روایت کے مطابق حیّ نے پرورش پائی تھی۔ اُسکی شادابی، زرخیزی، اعتدالِ آب و ہوا، اور سامانِ آسایش سے واقف تھا اس سے بہتر امن و عافیت کی جگہ اُسے کہاں نصیب ہوسکتی تھی۔ اسلیئے اس جزیرہ کو ہجرت کرنے اور باقی زندگی تنہائی اور تجرد میں بسر کرنیکا اُس نے مصمم ارادہ کرلیا۔ سب مال و اسباب جمع کرکے جتنا یہاں سے جزیرہ مذکور تک کرایہ جہاز کے لیئے ضروری تھا اُتنا علیحدہ کرلیا اور باقی فقیروں اور محتاجوں کو بانٹ دیا۔ بعدازاں اپنے دوست سلمان سے رخصت ہوکر بسم اللہ مجریہا و مرسیہا کہتا ہوا جہاز پر سوار ہوگیا۔ جہازرانوں نے مع الخیر جزیرہ مذکور کے کنارہ پر اُتار کر اپنی راہ لی *

یہاں آتے ہی خداوندِ ذوالجلال کی طاعت اور اُسکے ناموں اور صفتوں پر غور کرنے میں مشغول ہوگیا۔ نہ کوئی خلل انداز تھا نہ توجہ ہٹانے والا۔ بھوک لگتی تھی تو پھل یا شکار کا گوشت بقدرِ ضرورت کھالیتا تھا اور پھر یادِ الٰہی میں مصروف ہوجاتا تھا کچھ عرصہ تک اِسیطرح عبادت اور مناجات میں نہایت راحت اور طمینان سے بسر کرتا تھا۔ ہر روز پروردگار کی عنایتوں اور بخششوں کا نیا تجربہ ہوتا تھا یہانتک کہ وہ کل چیزیں جن کی اُسے حاجت تھی اور زندگی کے لیئے ضروری تھیں آسانی سے دستیاب ہوگئیں۔ یہ روزانہ نوازشیں دیکھکر اُسکا ایمان اور توکل اَور بھی قوی ہوگیا حیّ کی اُس زمانہ میں یہ حالت تھی کہ سراپا اپنی بلند فکروں میں ڈوبا ہوا مزا

کے گنبد میں رہتا تھا اور بہت ہی کم غار سے باہر نکلتا تھا یعنی ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ غذا کی تلاش میں باہر آتا تھا۔ اور جو کچھ بلا وقت ہاتھ کے دا نو ملتا لیکر پھر فوراً غار میں داخل ہوجاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک اصل کی اور اُسکی مڈبھیر نہ ہوئی تھی۔ اصل نے تمام جزیرے کو چھان ڈالا تھا۔ اور کناروں پر بھی گشت لگا چکا تھا۔ مگر نہ کوئی انسان اُسے کہیں ملا تھا نہ انسان کا نقش پا نظر آیا تھا جس سے وہ اپنے دلمیں بہت ہی خوش تھا کہ یہاں میری تنہائی و تجرد میں خلل ڈالنے والا کوئی نہیں ہی۔

اصل اور حی کا دو چار ہونا

آخر ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ اصل سیرگشت لگاتا ہوا حی کے غار کے پاس پہنچا ہی تھا کہ وہ بھی برآمد ہوا اور ایک کی دوسرے پر نظر پڑی۔ اصل کو تو فوراً یقین ہوگیا کہ یہ بھی میری طرح کوئی خلوت پسند عابد ہے۔ جس نے تنہائی کے خیال سے اس جزیرہ کی سکونت اختیار کی ہے۔ دلمیں سوچنے لگا کہ اِسکے پاس جاؤں یا نہ جاؤں کہیں ایسا نہو میری وجہ سے اسکے ذکر و فکر میں حرج واقع ہو۔

رہا حی ابن یقظان وہ بالکل سمجھ ہی نہ سکا کہ میں یہ کیا چیز دیکھ رہا ہوں کیونکہ اب تک جتنے جانور اُس نے دیکھے تھے اُن میں اور اِس میں کوئی مناسبت و مشابہت ہی معلوم ہوتی تھی۔ اصل اسوقت صوف کی سیاہ عبا جسکو وہ نہایت معمولی لباس خیال کرتا تھا پہنے ہوئے تھا لیکن حی کو اس سے ایسا تعجب ہوا کہ دیر تک حیرت میں غرق کھڑا دیکھا کیا۔ اصل سمجھا یہ استغراق کیحالت میں ہے۔ ایسا نہو میرے سبب سے اسکی توجہ بٹے اور محویت میں فرق آئے۔ یہ خیال کرکے وہ مُڑا اور بھاگا۔ حی کی طبیعت میں جو تحقیق کا قدرتی شوق تھا اُس نے ایسا مجبور کیا کہ یہ بھی ہمزاد کی طرح اُس کے پیچھے ہولیا مگر جب دیکھا کہ وہ نہایت قوت اور تیزی کے ساتھ بھاگا ہی چلا جاتا ہی تو تعاقب چھوڑ کر اور مغالطہ دینے کی غرض سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ کر ایک جگہ

چھپ کر بیٹھ رہا۔ یہ دیکھکر اصل کی ذرا جان میں جان آئی اور حواس بجا ہوئے۔ کیونکہ جب سے حی کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تھا وہ درحقیقت جان کے خوف سے بھاگ رہا تھا۔ خیال ہوا کہ دشمن نے نو مید ہو کر میرا پیچھا چھوڑ دیا۔ اور اپنے مسکن کو واپس گیا اسلیئے اطمینان کے ساتھ اپنی عادت کیموافق دعا اور مناجات میں مشغول ہوا۔ اور ایسا محو ہوا کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی*

حی کا اصل کو پکڑنا

اس اثنا میں حی اُسکی نظر سے اوجھل آہستہ آہستہ دبے پاؤں قریب آتا گیا اور آخر اتنا نزدیک آگیا کہ دعا و مناجات کی آواز کان میں آنے لگی۔ یہ آواز نہایت دلکش معلوم ہوئی کیونکہ اوّل تو کسی جاندار کی ایسی آواز اب تک گوش زد ہی نہ ہوئی تھی۔ دوسرے چونکہ الگ الگ اور متمیز لفظوں سے مرکب تھی اُسکا اُتار چڑھاؤ اور وقفے اور بھی دل کھینچے لیتے تھے۔ پیچھے ہی پیچھے عبادت کرنیوالے کے چہرے اور خط و خال کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ جسکی تلاش میں تمام جزیرہ کی خاک چھان چکا ہوں وہی گوہر مراد یعنی ہم صورت ہی۔ اب تو اطمینان ہو گیا کہ جو سیاہ چیز وہ پہنے ہوئے ہے قدرتی کھال نہیں ہے بلکہ میری اپنی پوشش کیطرح مصنوعی لباس ہے۔ وہ جس خوبصورتی اور شائستگی سے معبود کے سامنے عجز و زاری میں محو تھا اُسپر جب نظر گئی تو یقین ہو گیا کہ یہ بھی ضرور اُنھیں نفوس میں سے ہے جن کو موجود حقیقی کا علم حاصل ہو چکا ہے*

اس خیال کا آنا تھا کہ ملاقات اور دریافت حالات کے شوق نے بیحد بیتاب کر دیا اور ارادہ مصمم ہو گیا کہ ہر چہ بادا باد ظاہر ہو کر اور قریب چل کر دریافت کرنا چاہیے کہ یہ کیا حالت ہے اور اس خاکساری اور گریہ و زاری کا کیا باعث ہے۔ مگر جونہیں اصل کی اس عجیب الخلقت پر نظر پڑی کہ کہاں کی نماز کیسی دعا کہاں کی۔ سب چھوڑ چھاڑ پھر فرار ہوا

لیکن حی ابن یقظان نے جسکو خدا نے علم اور جسم دونوں کی قوت عطا فرمائی تھی اب کے مرتبہ اپنی پوری طاقت سے پیچھا کیا' تھوڑی ہی دور چلکر جالیا اور ایسا مضبوط پکڑا کہ اُس نے ہرچند کوشش کی مگر کسیطرح اس حبس بیجا سے گلو خلاصی میسر نہ ہوئی ؁

ایک دوسرے کو تھپکنا اور دلاسا دینا

جب اصل نے قریب سے دیکھا کہ حریف جانوروں کی کھالیں مع بالوں کے پہنے ہوئے ہے اور اپنے جسم کے بال بھی اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ نصف جسم کو ڈھانک لیا ہے طاقت و زور چستی اور چالاکی کا وہ عالم ہے جو ابھی مشاہدہ ہوا تو ڈر کے مارے دم فنا ہونے لگا۔ اور چاپلوسی سے میٹھی میٹھی باتیں بناکر اور پچکار کر اُسکو خوش کرنا چاہا۔ مگر حی ایک لفظ بلکہ ایک حرف بھی نہ سمجھا۔ صرف اتنا سمجھ میں آیا کہ میرے قیدی پر خوف بہت چھایا ہوا ہے۔ اس لیے جو جو بولیاں جانوروں سے سیکھی تھیں اُن کے ذریعہ سے تسلی دینے لگا۔ نہایت نرمی سے اُسکے سر اور گردن پر ہاتھ پھیرا اور جہاں تک ممکن تھا مہربانی اور خوشنودی کا اظہار کیا۔ یہانتک کہ اصل کا خوف ذرا کم ہوا اور سمجھا کہ اس کا ارادہ مجھے ضرر پہنچانے کا نہیں ہے

گفتگو کی کوشش

اصل کو چونکہ علم کا بیحد شوق تھا۔ لہٰذا وہ بہت سی زبانوں میں مہارت حاصل کرچکا تھا۔ اِسوقت اُسکو فخر کے ساتھ اپنے علم کی قدر ہوئی۔ کیونکہ خیال ہوا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی زبان تو میرا وحشی آشنا جانتا ہوگا۔ چنانچہ ہر زبان میں جس سے خود واقف تھا حی سے اُسکی حالت کی نسبت سوال کرنے شروع کیے اور اُسکے مشاغل اور بود و باش کے طریقے دریافت کرنے چاہے۔ ہاتھ۔ سر اور آنکھ وغیرہ کے اشاروں سے بھی حتی الوسع مطلب سمجھانے کی کوشش کی مگر اُسکی

یہ حالت تھی کہ ٹکر ٹکر دیدم دم نکشیدم تصویر حیرت بنا کھڑا تھا اور ہرچند ذہن رسا پر زور ڈالتا تھا لیکن خاک سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان آوازوں اور حرکتوں کا کیا مطلب ہے۔ صرف اتنا معلوم ہوتا تھا کہ سب دوستی اور خیر خواہی کی علامتیں ہیں غرض بہت دیر تک دونوں اسطرح حیرت میں ڈوبے ایک دوسرے کا منہ تکا کیے شعر

سن از تمکین تو از حیرت نہ ایمائے نہ تقریرے بداں ماند کہ ہم بزم است تصویرے بہ تصویرے

صلائے خاص

اصل جو زاد راہ اپنے جزیرہ سے ہمراہ لایا تھا۔ اسمیں سے تھوڑا سا اب بھی بچا ہوا اُسکے پاس موجود تھا دوستانہ بڑھانے کی غرض سے حی کی تواضع کیا مگر وہ مطلق نہ سمجھا کہ یہ ہے کیا بلا۔ کیونکہ اُس نے کبھی کوئی ایسی چیز دیکھی ہی نہ تھی۔ یہ دیکھکر اصل نے پہلے خود کھا کر بتایا اور پھر صلا کی۔ اب وہ مطلب تو سمجھ گیا مگر فوراً ان قاعدوں کا خیال آیا جو غذا کے متعلق اُسنے اپنے اوپر لازمی کر رکھے تھے۔ اور دلمیں سوچنے لگا کہ جو چیزیں میرے سامنے پیش کیگئی ہیں خدا جانے کس قسم کی ہیں اور ان کا کھانا میرے قواعد مقررہ کے مطابق جائز ہے یا ناجائز۔ اسلیئے اُس نے اب بھی کھانے میں تامل کیا مگر اصل کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔

کھانا اور پچھتانا

ادھر حی کو خود اُس سے تعارف کا بڑا اشتیاق تھا اور اصرار پر انکار اور انکار پر اصرار کرنے میں خوف تھا کہ اسقدر دقتوں کے بعد جو الفت و اُنس پیدا ہوا ہے کہیں دفعۃً غتربود نہ ہو جائے۔ اسلیئے آخر میزبان کے پاس خاطر سے کھانا گوارا کیا۔ مگر ایک لقمہ ہی لیا تھا کہ غذا لذیذ معلوم ہوئی تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور دل میں کہنے لگا کہ جس بات کا اندیشہ تھا آخر وہی پیش آئی۔ میں نے یقیناً غلطی کی کہ ایک اجنبی کی دوستی کی خیال سے اپنے دل سے کھانے کے متعلق جو عہد و پیمان کر رکھے تھے انکو

توڑ ڈالا- اپنی اِس حرکت سے اُسکو ایسی ندامت ہوئی کہ بے اختیار جی چاہتا تھا کہ اصل سے جو اِس عہد شکنی کا باعث تھا بغیر نوٹس دیئے کوسوں بھاگ جائے اور کبھی صورت نہ دیکھے اور مجاہدہ اور مراقبہ کے ذریعہ سے اپنی گزشتہ حالت پر آجائے

تعلیم

مگر جب دیکھا کہ خواہش کے ساتھ ہی جیسا معمول ہو گیا تھا روحانی عالم کی سیر میسر ہوئی تو خیال ہوا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا اب تو تھوڑے عرصہ تک اسکے ساتھ عالم اجسام ہی میں رہنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اِسکے حالات دریافت کرنے کا جو شوق ہے پورا ہو جائے۔ تو اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ حالت سابقہ کیطرف رجوع کروں اُدھر اصل نے جب دیکھا کہ میرا وحشی دوست بالکل بول ہی نہیں سکتا تو اُسکو بھی اطمینان ہو گیا کہ اِسکی صحبت سے میرے مذہبی خیالات پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑ سکتا- علاوہ ازیں اُسکو یہ بھی خیال ہوا کہ شاید میں کسیوقت زبان، علم اور مذہب سکھا کر اِس حیوان مطلق کو حیوان ناطق بنا سکوں جو یقیناً بڑے ثواب کا کام اور درگاہ الٰہی میں تقرب کا باعث ہوگا*

بہت غور و فکر کے بعد اُس نے طریقہ تعلیم وہی[1] اختیار کیا جو آجکل بھی ابتدائی مدارس میں بچوں کی تعلیم کے لیئے نہایت مناسب خیال کیا جاتا ہے یعنی کوئی چیز لیکر اُسکو دکھاتا اور خود اُس کا نام لیتا- اور وہاں تک تکرار کرتا کہ شاگرد سے اُس کا تلفظ کرا لیتا- شاگرد کو چونکہ غیر معمولی ذہانت عطا ہوئی تھی اور عقل کے آئینہ کو پہلے ہی صیقل ہو چکی تھی وہ بہت جلد ان آوازوں کی مثل دوسری آوازوں کے نقل کرنے لگا- جو سبق پڑھا دیا جاتا تھا- پتھر کی لکیر ہو جاتا تھا- تھوڑے ہی عرصہ میں تمام نام سیکھ گیا- اور خاصی گفتگو کرنے لگا*

[1] اس طریق تعلیم کا خیال بھی مصنف شمل بھنس اور خیالات کے حضرت آدم ع کے قصہ سے ہوا ہوگا- جب فرشتوں کو معلوم ہوا کہ خدا آدم کو اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے والا ہے تو اُنھوں نے کہا کہ خدایا کیا تو ایسے شخص کو اپنا خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد کرے اور خون بہائے حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا میں معروف ہیں خدا نے کہا مجھے اُن چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے اِسکے بعد فرشتوں کے خیال کی غلطی اور آدم کی فضیلت ثابت کرنے کے لیئے خدا نے آدم کو علم سکھایا اور وہ فرشتوں پر سبقت لیگئے- اِس تعلیم کو خدا نے یوں بیان فرمایا ہے وعلم ادم الاسماء کلہا (خدا نے آدم کو تمام نام سکھا دیئے) بعض حرف کا ذکر اس میں بھی ذکر نہیں ۱۲

حی کا اپنے عجیب حالات سے اصل کو آگاہ کرنا

اب اصل نے پھر اُس کی حالت سے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ تم یہاں کس طرح اور کہاں سے آئے تو اُس نے جواب دیا کہ اپنی اصل اور ماں باپ کے حالات سے تو میں بالکل واقف نہیں نہ یہ معلوم کہ میری پیدائش اسی جزیرہ میں ہوئی یا اور کہیں سے آیا ہوں۔ ہوش سنبھالا تو یہ دیکھا کہ اسی جزیرہ میں ایک ہرنی میری پرورش کرتی ہے ٭

اسکے بعد اپنی مفصل حالت، بود و باش کا طریقہ شروع سے آخر تک، اور علمی ترقی کا حال مع روحانی عالم کی دلچسپ داستان کے بیان کیا۔ ضمن میں حقیقت کے سیکڑوں بھید ظاہر کر گیا۔ اُن نفوس کا ذکر کیا جو عالم اجسام سے بالکل آزاد ہیں اور جن کو موجود حقیقی کی معرفت حاصل ہو چکی ہے۔ قادر ذوالجلال کی ذات و صفات کی مخاطب کی سمجھ کے مطابق تھوڑی سی تشریح کی۔ اور جہاں تک ممکن ہوا واصلین کے سکھ اور مہجورین کے دکھ کی مفصل کیفیت جو دیکھی تھی بیان کی ٭

اصل اس تمام داستان کو نہایت استعجاب سے سنتا رہا۔ اور جب شاگرد رشید بلکہ اُستاد کامل نے اپنا قصہ ختم کیا تو اُسکو ذرا بھی شبہہ باقی نہ رہا کہ مذہب میں خدا کے حکموں، اُسکے فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، روز قیامت جنت دوزخ کی نسبت جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب حی ابن یقظان کے سچے خواب کی تعبیر ہے۔ یہ دیکھکر کہ جو کچھ حی نے عقل یا روح کے ذریعہ سے دریافت کیا ہے اور جو کچھ مجھے بذریعہ مذہب پہنچا ہے اصل و نقل آپس میں بالکل مطابق ہیں۔ دل کی آنکھیں کھل گئیں اور دماغ نورانی ہو گیا۔ صوفیانہ تاویلیں اب بالکل سیدھی سادی معلوم ہونے لگیں۔ اور مذہب کے تمام حکموں اور ہدایتوں میں ذرا بھی اُلجھاؤ اور گھمپن باقی نہ رہا ٭

غرض کہ حی کا فسانہ سُنکر اُسکے ایمان کو نہایت قوت اور دلکو پورا اطمینان ہوگیا شاگرد مجازی اور اُستاد حقیقی سے صرف محبت ہی نہیں پیدا ہوئی بلکہ بیحد اُسکی تعظیم وتکریم کرنے لگا اور یقین ہوگیا کہ یہ اُنہیں لوگوں میں سے ہے جنکی نسبت ارشاد ہوا ہے (اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ خدا کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں) لہذا مصمم ارادہ کرلیا کہ اُسکی خدمت میں رہے اور کل مذہبی باتوں میں اُسکی ہدایت کے موافق عمل کرے ۔

(باقی آیندہ)　　　فدا علیخاں ۔ ایم اے

زندگی کی آب وتاب خصائل کی عمدگی وصلاحیت سے ہے ۔ دنیا کی عام نگاہوں میں عہدہ وعزت ۔ سرتاجی وسربلندی ضرور ایک حد تک قابل فخر ہے ۔ لیکن بغیر خصائل کی خوبی کے یہ سب دو کوڑی کی چیزیں ہیں خصلت انسانی فطرت کا نام ہے یہ ایک اخلاقی قانون ہے جو براہ راست افراد پر حاوی ہے ۔ خصلت کے بااصول بمضبوط صرف سوسائٹی کے ارکین نہیں ہیں بلکہ اُس سوسائٹی کی قوت روحانی کے محرک ہیں اور یہ ہیں روحانی قوتیں ہیں جو دنیا کو مسخر ومطیع کرکے فرمانروائی وحکمرانی کرتی ہیں ۔ نپولین کہا کرتا تھا کہ روحانی قوت بمقابلہ جسمانی قوت کے ہر شخص میں دس میں سو حصے موجود ہے ۔ ملک کی قوت افراد کی محنت وتہذیب کے خصائل پر مبنی ہے قانون رسم ورواج سب اُسکی فروعات ہیں ۔ فطرت کی انصافانہ ترازو میں افراد قوم ٹھیک اُسیقدر حصہ دار ہونگے جتنے کہ وہ مستحق ہیں ۔ اگر کسی شخص میں ذاتی قابلیتوں یا علم ودولت کیطرف سے بے نصیبی ہے اور اُسکے خصائل وزنی اور بھاری بھرکم ہیں تو وہ ہمیشہ باا‌ثر ہوگا چاہے وہ دکاندار ہو یا مزدور ۔ کاریگر ہو یا میر مجلس ۔

مترجمہ شفیع الدین خاں

اُصولِ صوت

امریکہ کا نام نئی دنیا بھی خوب کسی نے چھانٹ کے رکھا ہے وہ وہ چیزیں ایجاد ہوتی ہیں کہ یہاں تو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتیں۔ دانایانِ فرنگ قائل ہوئے ہیں تو امریکہ کے۔ ایجاد کا فخر امریکہ ہی کو ہے۔ اگرچہ ہماری ولایت والے کچھ اُسمیں پھول پتے لگا کے نقل کو اصل سے بڑھا دیتے ہیں یا یہ کہ جرمنی والے اصل میں سے بھی کاٹ چھانٹ کرکے کوڑیوں کے مول کر دیتے ہیں۔ یہ پچیس تیس برس کا عرصہ ہوا فونوگراف کے نام سے ایک باجا نکلا تھا۔ پہلے پہلے ہزار بارہ سو کو بکا۔ پھر چار پانسو ہو گئے۔ اور ڈھائی تین سو کو اب تک آتا تھا چار پانچ برس ہوئے۔ اُسی اُصول پر دوسرا باجا گراموفون نکلا۔ اُسکے بعد نکلوفون اور اب تو بیسیوں فون ہیں قیمت بھی ہزار بارہ سو سے دس بارہ پر آرہی۔ واقع میں عجب چیز ہے۔ گانا بجانا لکچر اسپیچ ہنسی مذاق سبھی کچھ تو اُترا ہوا ہے۔ سچ پوچھو تو فقط جان ڈالنی باقی رہ گئی ہے۔

لوگوں کا خیال تھا کہ گانے بجانے والوں کی روزی قطعی ماری گئی۔ مگر ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جس کام کی مشین نکلتی ہے وہ اور گراں ہو جاتا ہے۔ پہلے انگرکھی اچکن ایک روپیہ میں خاصی اچھی سِل جاتی تھی۔ جب سے گھر گھر مشینیں ہو گئی ہیں دو روپیہ سے کم کوئی درزی بات نہیں کرتا۔ یہی کیفیت اس مشین کی بھی ہے بازاری عورتیں مِس ہو گئیں ڈوم ڈھاڑیوں کو پروفیسر کا خطاب مل گیا۔ غرض یہ کہ جن کا نام اپنے شہر والے بھی کم جانتے تھے۔ اِن باجوں کی بدولت دور دور مشہور ہو گئے۔ اُدھر باجوں کی بھی وہ ارزانی ہوئی ہے کہ جس گھر میں ایک میز دو کرسیاں ہیں چوتھا یہ بھی ضرور ہوگا۔ بڑے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم پر

کہیں گتوں کے ٹکڑے چھوٹے کیساتھ جکڑے ہوئے کہیں بیگناہ صراحیوں کے گلے پھچنیوں میں بندھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو کہیں اسٹیل ٹرنک پر بارن بھی ضرور رکھا ہوتا ہے۔ حد ہے کہ بقایائے مالگزاری کی قرقی میں بھی تحصیل کے دروازے پر ایک آدھ باجا نظر آجاتا ہے۔ افسوس یہ ہوتا ہے کہ ایک وہ ملک ہے جہاں ایسی چیزیں ایجاد ہوتی ہیں۔ دوسرا وہ جہاں ایجاد پر ترقی ہوتی ہے تیسرا وہ ملک جہاں سے ارزانی ہوتی ہے۔ چوتھا ہمارا ہندوستان جنت نشان جہاں کے لوگ باوجود کثرت استعمال کے یہ بھی نہیں جانتے کہ اسمیں ہو کیا بلا جس سے طرح طرح کی آوازیں نکلتی ہیں۔ یہاں تو یہ جانتے ہیں کہ کچھ اپنے پاس سے ملایا کچھ قرض لیا بازار سے ایک باجا مول لے آئے۔ اور گھر میں آتے ہی گھسنا جو شروع کیا تو نہ رات کی خبر نہ دن کی آٹھ دس روز میں محلے والوں تک کا جی بیزار کر دیا۔ کچھ روز زبردستی پکڑ پکڑ کے لوگوں کو سُنایا۔ اسکے بعد کہیں کونے میں ڈالدیا تو خاک کے انبار لگ گئے۔ یہ تو کھاتے پیتوں کی بات تھی۔ جن بیچاروں کو اتنی توفیق نہیں وہ دوسروں کے باجوں پر اسطرح گرتے ہیں جیسے مٹھاس پر مکھی بس نہیں کہ بونگل کے اندر گھس جائیں۔ لاکھ سمجھاؤ کہ اسکی آواز دور سے اور اچھی معلوم ہوتی ہے مگر وہ سر ہی پے سوار رہیں گے۔ دو چار دفعہ کے کہنے سے اگر کچھ اثر بھی ہوا تو یہ کہ خفا ہو کے گھر کی سیدھ باندھی آئندہ شادی غمی میں بھی شریک ہونے کا ارادہ نہیں ۔

ایسے جلسوں میں ایک آدھ لال بجھکڑ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ان حضرت کا کام یہ ہے کہ جب تک کسی نامی گویے کا رکارڈ بجتا رہے۔ یہ اُسکے راگ راگنی کی باریکیاں بیان کریں۔ اور کہیں کہیں کچھ نقص بھی بتاتے جائیں۔ جب رکارڈ ختم ہوا اور گویا اپنا نام بتائے تو یہ اُسکے حسب ونسب شکل و شمائل سن و سال کا اضافہ کریں اور کچھ واقعات

چشم دید بھی بیان کریں۔ خاتمے پر دو چار آدمی اپنے ڈھب کے ملگئے تو باجے کے کل پرزوں اور اصول کا بیان بھی ضرور ہے۔ باتیں اللہ کے فضل سے سب ایسی ہونگی جیسے دادا لال بجھکڑ نے ہاتھی کے پاؤں کا نشان دیکھکر فرمایا تھا ع پاؤں میں چاکی باندھ کے ہرنا نہ کودا ہوئے ہو۔ مجکو جو کسی زمانے کا کچھ پڑھا پڑھایا یاد ہے وہ لکھتا ہوں اگر اسوقت بھی سائنس کے کانٹے میں پورا اُتر گیا تو سبحان اللہ ورنہ سو لال بجھکڑوں کا ایک لال بجھکڑ میں بھی سہی ۔

حکمائے یونان نے خاک باد آب آتش کو جو عنصر مانا ہے اُس کے یہ معنی نہیں کہ یہ چاروں چیزیں مفرد و ناقابل تجزیہ ہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر شے کا وجود ان ہی چار چیزوں پر منحصر ہے۔ چنانچہ آواز کی علت ہوا کو قرار دیا ہے۔ طبیعیات جدید کا بھی اسپر اتفاق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دو چیزوں کے آپسمیں لڑنے یا رگڑنے سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ خواہ ایک ہی جنس کی ہوں یا مختلف۔ تالی بجانے سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے۔ پانی میں پتھر پھینکنے سے بھی۔ خالی چابک ہلانے سے بھی آواز نکلتی ہے گو بظاہر کسیسے لگتا نہیں۔ ہم اپنی بول چال میں خالی کہتے ہیں لیکن درا صل خالی کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں ہوا ہوتی ہے۔ بہتیری زبانوں میں تو خالی ہلانے کو ہوا میں ہلانا کہتے ہیں ہاں اُصول کو سائنس کے طریقے پر اس طرح کہا جاتا ہے کہ چیزوں کے آپسمیں ملنے اور چھوٹنے سے اُن کے اجزا میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اُس حرکت سے ہوا کے وہ اجزا جنبش کرتے ہیں جو اُن اشیاء سے متصل ہیں یہ جنبش بتدریج کان کے پردے پر اثر کرتی ہے تو آواز معلوم ہوتی ہے۔ جن چیزوں میں لچک اور لرز زیادہ ہوتی ہے اُنسے آواز بھی زیادہ نکلتی ہے جیسے ستار کا تار۔ طبلے کی تال۔ گھڑیال وغیرہ۔ سبب یہ ہے کہ لرز سے ہوا کے اجزا کو متواتر حرکت ہوتی ہے اور دیر تک قائم رہتی ہے۔ چیزیں متفرق

مادے اور مختلف ساخت کی ہوا کرتی ہیں۔ اس سبب سے اُنکے اتصال و انفصال سے ہوا کو مختلف قسم کی حرکت ہوتی ہے اور طرح طرح کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں بات کرنے میں زبان کبھی دانتوں سے ملتی ہے کبھی تالو سے کبھی آگے بڑھتی ہے کبھی پیچھے ہٹتی ہے۔ ہونٹ کبھی بند ہوتے ہیں۔ کبھی کھلتے ہیں۔ گلے کی حرکت بھی طرح طرح کی ہوتی ہے۔ ان مختلف ذریعوں سے انواع و اقسام کی آوازیں اور حروف پیدا ہوتے ہیں۔ قدرت کے کاموں میں غلطی اور اتفاق کو دخل نہیں ایک خاص قسم کی حرکت سے جو آواز ایک دفعہ نکلتی ہے وہی ہر دفعہ اور ایک خاص آواز جس حرکت ہوائی سے ایک دفعہ پیدا ہوتی ہے وہ جب پیدا ہوگی اسی قسم کی حرکت سے خواہ وہ حرکت کسی ذریعہ سے ہو +

اچھا اب کچھ حال ان باجوں کے پرزوں کا بیان ہونا چاہیے تاکہ ان کا اصول سمجھ میں آجائے اور ہوا کا فعل بھی عملاً ثابت ہوجائے ھارن بے بیڈول بھی ہوتا ہے۔ سفر میں بھی دقت۔ گھر پر بھی رکھنے ڈھونڈنے کی مصیبت۔ آواز سے صرف اتنا تعلق ہے کہ ہوا کی حرکت منتشر ہو کے کمزور نہیں ہونے پاتی۔ بلکہ پھیلے ہوئے مُنہ کی طرف سے داخل ہو کے تنگ سرے کی طرف جانے میں سمٹ کر زیادہ تیز اور قوی ہوجاتی ہے جیسے بندوق کی گولی اور پچکاری کا پانی۔ جن لوگوں کو ثقل سماعت کا عارضہ ہوتا ہے وہ اکثر اسی شکل کا آلہ استعمال کرتے ہیں (ثقل سمع یعنی اونچا سننے کا سبب بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کان کا پردہ موٹا اور سخت ہوجاتا ہے۔ ہوا کی خفیف حرکت سے متحرک نہیں ہوتا) تنگی طرف سے مُنہ کی طرف آنے میں آواز رفتہ رفتہ پھیلتی ہے اور اپنی گونج سے مل ملا کے بھاری اور اونچی ہوجاتی ہے۔ بند کے

ل گونگوں کی زبان اوّل تو ہوتی ہی نہیں اور ہوتی بھی ہے تو اتنی چھوٹی کہ نہ دانتوں تک پہنچ سکے نہ تالو تک نہ ہوا کو حرکت دے سکے۔ حرف کیونکر پیدا ہوں +

جو نکلتی ہے تو جاتی بھی دور تک ہے جس طرح زور کا دریا سمندر میں ملتا ہے تو کوسوں تک سمندر کے اندر بہتا چلا جاتا ہے۔ یہی اصول فوجی بگل۔ ٹرئی۔ شہنائی وغیرہ کا ہے +

سوُنڈ بکس۔ اب تو کچھ بچوں کا بھی مذاق بدل گیا۔ تیر کمان۔ ٹیڈی مینڈک کے بدلے شروع ہی سے کرکٹ فٹ بال کی نقل ہونے لگتی ہے ٹوٹے پھوٹے میلوں میں کہیں پُرانی وضع کے کھلونے نظر آجاتے ہیں۔ ان میں ایک چیز ہوتی ہے جسکو مینڈک یا کوا بھی کہتے ہیں۔ اسکی ترکیب یہ ہے کہ مٹی کی سکوری ذرا گہری سی بنائی اور جھلی یا کاغذ ہی سے منڈھ لیا۔ دو چار بال گھوڑے کی دُم کے بالشت سوا بالشت لمبے لیکر ایک سرے میں پھندا سا بنایا اور بانس کی تیلی یا سرے میں پھنسا دیا۔ دوسرے سرے میں چھوٹا سا تنکا باندھ کے جھلی میں مہین سا چھید کرکے اندر اتار دیا۔ پھر وہ تنکا آڑا ہو کے باہر نہیں نکل سکتا۔ تیلی کو پھرانے سے منڈھی ہوئی سکوری بالوں کے ذریعہ اُسکے گرد پھرتی ہے۔ اور مینڈک کی سی آواز نکلتی ہے اس سبب سے کہ تیلی کی رگڑ سے بالوں میں لرز پیدا ہوتی ہے بالوں سے جھلی میں جھلی میں لچک اور لرز زیادہ ہے۔ اسوجہ سے ہوا کو جنبش زیادہ ہوتی ہے۔ اور وہی رگڑ کی آواز موٹی اور بڑی ہو کے مینڈک کی سی ہو جاتی ہے۔ یہی کرامت سوُنڈ بکس میں ہے۔ سکوری کی جگہ لوہے کی ڈبیا۔ جھلی کے بدلے پتلا ورق سا شیشہ بالوں کے عوض فولادی کمانی جسکا ایک سرا شیشہ میں لگا ہوتا ہے اور دوسرا سرا اُس سوراخ تک ہوتا ہے جس میں سوئی لگائی جاتی ہے۔ سوئی لگا کے کس دی جاتی ہے تو کمانی اور سوئی ایک ہو جاتی ہے۔ سوئی رکارڈ پر ٹکی ہوتی ہے اور رکارڈ کے چکر کھانے سے رگڑ پیدا ہوتی ہے +

ٹیوب۔ سوُنڈ بکس اور ہارن کے بیچ میں ایک نلی آواز کی آمد و رفت کیواسطے

ہوتی ہے۔ اسکی ضرورت یہ ہے کہ ساؤنڈ بکس آزاد رہے۔ اور آسانی سے حرکت کر سکے۔

مشینری۔ بکس کے اندر ایک یا دو گھنٹے کے سے فنر ہوتے ہیں۔ تین چار پہیے دو ایک اور پرزے۔ بس۔ ان سب کی غرض فقط اتنی ہوتی ہے کہ رکارڈ رکھنے کی پلیٹ برابر رفتار سے پھرتی رہے۔

رکارڈ۔ ہارن کے پھیلے ہوئے منہ کے پاس جو آواز ہوتی ہے خواہ گانے کی ہو یا پڑھنے کی۔ ہنسنے کی ہو یا بولنے کی وہ پتلے سرے کی طرف سے تیز اور قوی ہو کر نلی کے رستے ساؤنڈ بکس میں پہنچتی ہے۔ اُس سے شیشے کو لرزش پیدا ہوتی ہے۔ شیشے کی لرزش سے فولادی کمانی اور سوئی لرزتی ہے۔ اگر سوئی کی نوک صابن یا موم جیسی نرم چیز پر ٹکا دی جائے تو ضرور ہے کہ سوئی کی لرزش سے کچھ باریک باریک نشان اُس چیز پر پڑ جائیں۔ چونکہ ہر آواز اور ہر حرف سے ایک شکل کی حرکت ہوا میں پیدا ہوتی ہے۔ لہذا سوئی کی حرکت اور نشان کی صورت بھی مختلف ہو گی۔ اب اگر نشان قبول کرنے والی شے ساکن ہے تو نشان سے اوپر نشان بنتے چلے جائینگے۔ لیکن اگر ٹائپ رائٹر کے کاغذ کیطرح نشان قبول کرنیوالی شے سرکتی جاتی ہے تو نشانات علیحدہ علیحدہ اور مسلسل ہوں گے۔ یہی اصول رکارڈ بھرنے کا ہے۔ یعنی گانے والا شخص ہارن کے منہ کے پاس بیٹھ کے گاتا ہے اُسکی آواز سے سوئی کو حرکت ہوتی ہے۔ سوئی کی نوک سادے رکارڈ پر رکھ دیجاتی ہے جو اُس وقت بہت نرم ہوتا ہے۔ رکارڈ چکر کھاتا ہے۔ اور مہین مہین نشان سوئی کی نوک سے بنتے جاتے ہیں۔ بعد میں مصالحوں سے رکارڈ اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ سوئی کے نشان چاقو سے بھی نہیں مٹ سکتے۔

یہ اصول رکارڈ بھرنے کا ہوا۔ بجنے کا اصول بھی یہی ہے۔ لیکن عمل معکوس ہے

یعنی سوئی اُن ہی نشانوں میں سے گزرتی ہے جو بھرتے وقت بنے تھے۔ پس ضرور ہے کہ سوئی کو بجنسہ وہی حرکت ہو جو پہلے آواز کے ذریعہ سے ہوئی تھی تیز فولادی کمانی اور شیشے میں بھی ویسے ہی لرزہ پیدا ہو۔ پس لازم ہے کہ وہی آواز پیدا ہو جو بھری گئی تھی۔ وہی آواز۔ وہی لفظ وہی سب باتیں +

اشرف حسین

اُف ری جوانی ہائے زمانے

دل میں ہے میرے تیری محبت اُف ری جوانی ہائے زمانے
آنکھوں میں ہے تیری پھرتی صورت اُف ری جوانی ہائے زمانے

تیر وہ غمزہ فتنۂ محشر، تیر وہ عشوہ نشتر و خنجر
تیری وہ شوخی اور شرارت اُف ری جوانی ہائے زمانے

کیا ہی مزے کی وہ بھی تھیں راتیں کیا ہی مزے کی وہ بھی تھیں باتیں
عیش کہاں وہ اور وہ عشرت اُف ری جوانی ہائے زمانے

شیفتہ تم پر ہم بھی کبھی تھے ہم بھی شہید ناز تھے تیرے
رکھتے تھے ہم بھی تجھ سے محبت اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہم کبھی تجھ سے شاد رہے ہیں اب تو مزے وہ یاد رہے ہیں
تیری وہ اُلفت تیری وہ صحبت اُف ری جوانی ہائے زمانے

ناز تھا ہمکو حسن پہ اپنے نور پہ نخوت کرتے تھے ہم بھی
پیری و صد عیب اب ہے یہ صورت اُف ری جوانی ہائے زمانے

کون ہو مونس کس کو دکھائیں کون سنیگا کسکو سنائیں
اپنی یہ صورت اپنی یہ حالت اُف ری جوانی ہائے زمانے

موت ہے اب تو اپنے کمیں میں ہمکو لیے جاتی ہے زمیں میں
تیری جدائی تیری یہ فرقت اُف ری جوانی ہائے زمانے

کیوں نہ تجھے ہم نعمت سمجھیں کیوں نہ تجھے ہم دولت جانیں
تیری ہے کیسی عزت و عظمت اُف ری جوانی ہائے زمانے

شیوہ ترا بس جور و جفا ہی دیکھا۔ نہ تجھ میں رسم وفا ہے
تجھ میں نہیں افسوس مروت اُف ری جوانی ہائے زمانے

سعدی خستہ سعدی محزوں تیری ادا پر تھا کبھی مفتوں
اب تو ہوئی ہے اور ہی حالت اُف ری جوانی ہائے زمانے

ابوالبرکات محمد عبدالحی سعدی

اگلے لوگ

اگلے وقتوں کے بچے کھچے بڈھے ٹھڈے جو صبح شام کی ہوا کھا رہے ہیں اُن کا ذکر نہیں۔ بحث تو اُن اچھی بھلی صحیح تندرست صورتوں سے ہے جو رفتار زمانہ کے پہئیے دونوں ہاتھوں سے دھکیل رہی ہیں! تھوڑا بہت کر لیا اور بہت کچھ کرنا ہے۔

منصف مزاج دوستو! آخر وہ موقع آگیا جسکا مدت سے ارمان تھا اور وہ وقت آپہنچا جسکے واسطے برسوں سے آنکھیں ترس رہی تھیں! آج وہ دن ہے کہ پکی محل سرا ہو یا ٹوٹا سا گھر۔ بڑا بھاری شہر ہو یا چھوٹا سا گاؤں۔ دیوار و در سے بھی ترقی کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ گوشے گوشے اور چپے چپے غرض کونے کھدرے تک تغیر و تبدل کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ملکہ مغرب کی سواری اپنے وطن سے روانہ ہو کر دریائی مسافت طے کر رہی ہے اور کوئی دم جاتا ہے کہ شرقی حدود میں داخلہ ہو! ذرا اس دلہن کا اقبال تو دیکھو۔ مرد تو مرد عورتیں تک سارے جھگڑے بھول بھال اور گھر کے دھندے چھوڑ چھاڑ مہمان کے استقبال کی تیاریاں کر رہی ہیں! مزا یہ ہے کہ سب ایک رنگ میں رنگے ہوئے اِدھر امیر اپنے کمرہ نشست کو مختلف تصاویر سے مزین کر رہا ہے تو اودھر فقیر اپنے کچے دھابے پر لال قندیل لپیٹ رہا ہے کہ کسطرح حق مہمان نوازی ادا کروں! کچھ عجیب طلسم کا سا سماں ہے جدھر نظر جاتی ہے۔ ہر شخص اپنی کینچلی بدلے فلاح و بہبودی کے گلدستے ہاتھوں میں لیئے موجودہ طرز معاشرت پر لعن طعن کرتا ترقی کی صدائیں لگا رہا ہے۔

کھڑے کھڑے پاؤں شل ہو گئے دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ سوچتے سوچتے دماغ چکرا گیا۔ مگر ابھی اُس سیمتن کا نظارہ نصیب نہیں ہوا جسکے انتظار میں بیسیوں راتیں سحر اور مہینوں دن بسر کیے ہیں!

میدان ترقی کے بہادرو! تمھارا اشتیاق سر آنکھوں پر تمھاری سرگرمی چشم ما روشن دل ما شاد۔ مگر عقل سلیم اتفاق کلی میں متامل ہے! جس طرز معاشرت کو جہالت سے تعبیر کر رہے ہو ذرا اُسپر غور کی نظر تو ڈالو! شہر آبادی یعنی دلّی بستے کا وقت ہی یہ ہی چراغ سحری جو اب ایک آدھ جھونکے کے مہمان ہیں اپنی روشنی سے محلہ بھر کو منور کر رہے ہیں! چشم تامل سے دیکھنا! کیسی کیسی جھلکیاں نظر آرہی ہیں! کچا پکا گارے مٹی کا گھر ہے مگر لپا پپایا چندن سا! شرم و حیا کی گٹھڑیاں حسن و جمال کی ڈبیاں جھاڑو بہارو سے فراغت پا کر ہنڈیا کھانے سے پہلے کھلانے بیٹھیں۔ باسی کوسی رکھی سوکھی جو میسر ہے پڑوس کے اندھے دھندوں کو بھیجا کنبہ کے غریب محتاجوں کو دیا! بچا کھچا اچھا بُرا آپ کھایا۔ ذرا انصاف کی نظر سے دیکھنا انکے زیور عفت و عصمت میں ہمدردی کا جھومر کس آب و تاب سے چمک رہا ہے!

ان کو خاوندوں کے ساتھ برابری کا دعوے نہیں! اپنی راحت اپنا عیش اپنا سکھ اپنا چین اُنکی خوشی پر قربان کر چکیں!۔ طوق غلامی سمجھو یا اطاعت و فرماں برداری کا چندن ہار انکے گلے میں کچھ ہے تو سہی! ان کے دروازوں پر گھنٹوں کھڑے رہو انکی ڈیوڑھیوں پر گھڑیوں کان لگا کر سنو ہوا ان کی آوازیں کچی دیواروں سے باہر نہ لائے گی!

خدا معلوم ان جاہلوں کی طبیعت میں قدرت ہی نے کوئی مادہ ودیعت کیا ہے یا صحبت کا اثر اور تربیت کا فیض ہے! بہنیں بھائیوں پر پروانہ بھائی بھائیوں پر جاں نثار! لڑکیاں اطاعت گزار لڑکے فرماں بردار! بڑوں کا ادب چھوٹوں کا لحاظ تعظیم۔ شرم حیا تمیز انکی گھٹی میں ہے!

یہ سفید ڈاڑھیاں۔ یہ متبرک صورتیں جو عنقریب صفحہ ہستی سے ناپید ہوجائینگی آج تمھارے رنج میں ہیں تو سہی۔ جاہل ہی۔ لکیر کی فقیر سہی۔ مگر ان کی عمر کے

پچھلے ورق تو اُلٹ کر دیکھو! زمانہ کا رُخ بدلجائے۔ ہوا کے جھکڑ چلجائیں۔ ان کے کارنامے مٹنے والے نہیں! ان پتھروں سے مروت اور محبت کے ایسے چشمے پھوٹے کہ رستہ چلتے مسافر مگن ہو گئے۔ ذرا ان بڑے میاں کو دیکھنا منڈا ہوا سر پھنڈی جوتی کھدی ململ کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ ہاتھوں میں دونے بغلوں میں پوٹلیاں سر پر گڑ کی بھیلی۔ کندھوں پر ترکاری کی پوٹ لندھے پھندے لڑھکتے پڑھکتے چلے آرہے ہیں! ان پر ہنسو۔ قہقہے لگاؤ ٹھٹھے اُڑاؤ مگر اِنکی کیفیت بھی تو سُن لو مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی۔ پڑوس کی پردہ نشین رانڈیں جنکے ہاں گھس لگانے کو مرد کا نام نہیں کبھی کی میٹھی راہ تک رہی تھیں اُنکے گھروں پر گئے۔ پیسے لیے سودے پوچھے اپنا کاروبار رکھ محنت مزدوری چھوڑ بازار گئے! یہ اُنہیں دکھیاریوں کا بوجھ ہے! ٭

زمانہ کے نبض شناسو! عالم بنو فاضل بنو۔ لائق ہو فائق ہو کچھ ہی بن جاؤ اور کچھ ہی ہو جاؤ مگر پچھوا صاف بتا رہی ہے کہ اب یہ انداز رخصت ہوئے۔ البتہ آنے والی نسلیں سُن لیں گی کہ ہم اُن بزرگوں کی اولاد ہیں جن کے قدموں میں خلق و تہذیب کے دریا لوٹتے تھے۔ زمانہ ان واقعات کو فسانہ بنادے گا۔ مگر یہ کہانیاں بہت روز تک باقی رہیں گی ٭

ذرا زمانۂ جاہلیت کے بہن بھائی دیکھنا۔ محبت کی سرسبز و شاداب ٹہنی پر کیسے خوشرنگ پھول کھلے ہوئے ہیں ہے تو زچہ گیری مگر جوش محبت کی پوری تصویر ہے بھائی کے ہاں بچہ ہوا۔ پردیسن بہن یہ سُنکر پھولی نہیں سماتی بھتیجے کے لیے ہنسلی کرتے بھاوج کے لیئے جوڑا لیکر بھائی سے نیگ لینے آئی۔ کس محبت سے کہتی ہے۔

بیرن بھیا میں تیری ماں جائی ہولر سُنکر بدھاوا لیکر آئی

چھاتی دُھلائی کٹوری لُوں گی — تو لٹ دُھلائی روپیہ
پاؤں دُھلائی چیری لوں گی — تو شو کے چڑھن کو گھوڑا

بھائی کی خوشی میں شریک ہو کر نیگ لینے کے حقوق کیسے مزے سے جتا رہی ہے بھائی سے اتنا خطاب کر چکی تو اب بھاوج سے دو دو باتیں ہیں۔

یہ نہ سمجھیو بھاوج موری نند ھینی نہیں آئی
تیرے للا کو ہنسلی اور کڑوے تجکو جوڑا لائی

بھائی پر تو وہ کچھ زور تھا۔ مگر اس خیال سے کہ بھاوج کو بار خاطر نہوں یوں کہتی ہے حقیر نہ سمجھیو کہ تیرے دروازے پر لینے آئی۔ بڑوں کی مثل "بھائی مس لیجئے بھتیجا مس دیجئے" جو اپنا حق ہے وہ مانگ رہی ہوں جو مجھپر ہے وہ یہ موجود ہے۔

یہ تمام قصہ طے ہو جانیکے بعد آخری بات جو بہن کے مُنہ سے نکلتی ہے وہ ایک پیٹ میں پاؤں پھیلانے کا سچا اثر ایک گود میں دودھ پینے کا پورا جوش اور خالص محبت کا پکا ثبوت ہے۔ جس دل سے یہ الفاظ نکلے ہیں اُسکی حالت قابل غور ہے کیسی سچی اور اچھی دعا ہے۔

باگن میں جیسے آم پھلے رے ایسے پھلے میرا بھائی

الٰہ العالمیں جسطرح باغوں میں مور آکر آم پھلتا ہے۔ اُسیطرح میرا بھائی پھلے پھولے بیٹے ہوں پوتے ہوں۔ اسکے کھیڑے بسیں۔ اور میرے باپ دادا کا نام روشن ہو

ملکہ مغرب کے مشتاقو! یہ جلسہ ختم ہوا اور صحبتیں رخصت ہوئیں۔ جن چراغوں کی روشنی در و دیوار تک پھیلی تھی کبھی کے بجھ گئے صحبت شب کی شریک ایک آدھ شمع ادھر اُدھر ٹمٹما رہی ہے جو نسیم کے دو ایک جھونکوں کی محتاج ہے! جن مقدس صورتوں کی برکت تھی وہ سب خاک میں ملگئیں۔

عزیزو! دوستو! ایک وقت آئیگا اور ضرور آئیگا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو گے

اور سر پر ہاتھ رکھکر روؤ گے اور یہ ریزہ جواہر زیر زمیں ہوں گے۔ ڈھونڈھو گے مگر بے سود۔ پرکھو گے لیکن بیوقت ☙

بہار شرق کے باغبانو! گو آج سنسان جنگل میں پڑے آرام کر رہے ہو مگر چمنستان حیات میں ایسے پھول لگا گئے کہ قیامت تک نہ مرجھائینگے۔ بھانت بھانت کے پکھیرو اور رنگ برنگ کی بلبلیں بیٹھکر چہکیں گی اور انکی مہکار شرق سے غرب تک پھیلے گی! خزاں دنیا بھر کو تاراج اور مسمار کر دے مگر تمھارے مبارک ہاتھوں کی گلکاری صفحہ ہستی سے مٹنے والی نہیں ☙

راشد الخیری۔

تصویر تسلیم و احسان جو اس رسالہ کے ساتھ شائع ہوتی ہے ایک عجیب اتفاق سے مل گئی ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہماری پرانی شاعری کے آخری دور کی نشانیوں میں مغتنمات سے ہیں جیسا کہ انکی وضع سے ظاہر ہے۔ یہ اگلے وقتوں کے لوگ فوٹو اور تصویر سے کب سروکار رکھتے ہیں۔ مگر ایک مرتبہ چند سال ہوئے علیگڈھ میں ایک قابل یادگار مشاعرہ مولوی فضل الحسن صاحب حسرت موہانی کی کوشش سے ہوا تھا۔ جس میں میر مہدی مجروح تلمیذ حضرت غالب مرحوم۔ منشی امیر اللہ صاحب تسلیم یادگار نسیم دہلوی حضرت احسان شاہجہانپوری اور حضرت آسی مدراسی وغیرہم بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے وہاں ایک گروپ لیا گیا جسمیں یہ بزرگ بھی آگئے ورنہ کل نگاہیں انکے دیدار کو ترستیں اور انکے خدوخال تک کا تصور نہ کر سکتیں۔ یہ تصویر اس گروپ میں سے نکالی گئی ہے۔ درمیان میں مرحوم میر مہدی مجروح اور منشی امیر اللہ تسلیم بیٹھے ہیں میر صاحب کے بائیں ہاتھ پر حضرت آسی مدراسی اور منشی صاحب کے دائیں طرف حضرت احسان ہیں۔ میر صاحب کی تصویر اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی ہے باقی صاحبان کی تصویر انکے کمال کے معترفین کے لیے خاص لطف

اساطیر

انسان سے دنیا میں جو جودتِ طبع ظاہر ہوئی اُسکے سب سے پہلے نمونے اساطیر یعنی قصص و حکایات ہیں۔ اور اب بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ تہذیب یافتہ قوموں نے ہر زمانہ اور ہر ملک میں قصہ کہانی کو ایسا ہی عزیز رکھا ہے جیساکہ وحشی قوموں نے۔ ہندوستان کے زمانۂ قدیم میں والمیک اور کالیداس جیسے سخن آفرین اور یونان کی بالکل ابتدائی تاریخ میں الیسوپ جیسے داستان سرا موجود ہیں۔ روستہ الکبرے کی سلطنت جمہوری کے ریحانِ آغاز میں ایک مرتبہ عایا میں شعلۂ بغاوت مشتعل ہوا اور اس جوش و خروش کے ساتھ کہ شاید آبِ شمشیر کے بجھائے بھی نہ بجھتا۔ بلکہ ملک کے فصیح ترین واعظ بھی اس موقع پر بغاوت سے باز رہنے کی تلقین اگر کرتے تو غالباً رعایا کی پرغضب تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ لیکن جو کام کسی سے نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایک فرضی قصہ نے کیا۔ بھیڑ اور بچہ کی ایک کہانی حسبِ حال گھڑھ کر مشتہر کر دیگئی۔ اور اُسکا یہ حیرت فزا اثر عامۂ ناس کے طبائع مختلفہ پر ہوا کہ بغاوت فرد ہو گئی۔

اصلاح قوم اور پند و نصائح کا قصے کہانی ہمیشہ مؤثر اور کامیاب ذریعہ ثابت ہوئے ہیں۔ شاعروں نے تو بیچارے پند گو اور ناصح مشفق کی حد سے زیادہ مذمت کی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ پند حقیقت میں تلخ شئے ہے جو کسی کو خوش نہیں آتی۔ کیسی ہی شدید ضرورت کیوں نہ ہو مگر نصیحت کا نام بُرا لگتا ہے۔ اُدھر کسی نے نصیحت شروع کی اُدھر ہمیں معلوم ہونے لگا کہ ہماری توہین کر رہا ہے۔ ہماری عقل کو حقیر ہمارے چال چلن کو ذلیل اور ہمیں احمق سمجھتا ہے۔ اب اگر نصیحت گر سر دُھن کر مر جائے تو متاثر نہوں۔ کیسے ہی خلوص و ہمدردی سے نصیحت کرے

مگر اُسکی باتیں انتہائی ناگوار اور گستاخانہ معلوم ہونگی۔ اُسکی ہر بات کا اُلٹا اثر پڑے گا۔ اصل یہ ہے کہ نصیحت کرنے میں ایک نوع کی فضیلت ناصح کی نکلتی ہے اور ہماری فضیلت خاک میں ملجاتی ہے۔ ناصح ہمکو اپنے سے کم سمجھ اور اپنے مقابل میں خفیف الحرکات سمجھتا ہے تب تو نصیحت کرتا ہے۔ بس یہی وجہ اسکا سخن شاق گزرنے کی ہے۔ قدما اور متاخرین نے اس وجہ کو خوب سمجھا۔ اسیوجہ سے نصیحت کو مطبوع اور خوش کرنیکے بہت سے طریقے ایجاد کیے۔ لیکن ہمارے خیال میں نصیحت کا سب سے مستحسن طریقہ قصص و حکایات ہیں +

قصہ پڑھنے میں یہ خیال کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی ہمکو نصیحت کر رہا ہے۔ ہم قصہ کو قصے کی خاطر پڑھتے ہیں۔ نصیحت کی خاطر نہیں پڑھتے۔ اور اسطرح قصے کے پردے میں نادانستہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ انسان کسی شے سے ایسا خوش نہیں ہوتا جیسا اپنی بزرگی کے خیال سے۔ اپنی قابلیت کا خیال جو مسرت دلکو بخشتا ہے وہ شاید کسی دوسری شے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اپنی قابلیت کے اس یقین کو قصہ پڑھنے سے بہت تقویت ہوتی ہے۔ اور طبیعت کا اندرونی غرور راحت پاتا ہے۔ قصہ پڑھنے والا داستان کے متصل نشیب و فراز سے انواع و اقسام کے نتایج مرتب کرتا ہے۔ اور دلمیں سمجھتا ہے کہ ہر نتیجہ خود میں نے ہی مرتب کیا ہے۔ قصہ میں جن اشخاص کا ذکر ہوتا ہے۔ اُن سے مختلف چال چلنوں کے معائب و محاسن اور اُنکی سرگزشتوں کے حسن و قبیح اور اُنکی کارروائیوں کی ناکامی و کامیابی اور اُن کے اسباب کو فہم کرکے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور ہر فائدے کو اپنی نتیجہ خیز طبیعت کا پیدا کیا ہوا سمجھتا ہے۔ قصے سے جو نصیحتیں نکلتی ہیں اُنہیں اپنی فراست و طباعی کا ثمرہ یقین کرکے قابل مصنف کی تلخ ترین نصیحتیں بطیب خاطر فقط سن ہی نہیں لیتا بلکہ اُن سے متاثر بھی ہوتا ہے +

ایسے نصیحت خیز قصص کی بہترین قسم تاریخ ہی جو اقوام عالم کی ترقی اور تنزل کے عبرت خیز جزر و مد کی نہایت ہی دلکش کہانی ہے۔ عقلمندی اور بیوقوفی کے منافع و مضار اور فطرۃ بشری کی بیشمار کمزوریوں اور قوتوں اور انکے نتائج ناگزیر کی جیسی سچی اور دل فریب داستان تاریخ ہے۔ فرضی داستانیں ایسی نہیں ہوسکتیں۔ قوتِ متخیلہ کی انتہائی بلند پروازیاں بھی ایسی خرد افروز داستانیں نہیں تراش سکتیں۔ اور کیونکر تراش سکیں۔ عام داستانوں کے مصنف آدمی ہوتے ہیں مگر داستان تاریخ کے مصنف قوانین فطرت ہیں۔ مصنفین کی تکمیل و قوائے میں جو زمین و آسمان کا فرق ہے وہی تصانیف کی شان سے نمایاں ہے۔

جن کتب کو سماوی ہونیکا دعوےٰ ہے۔ اُن میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو قصے کہانی سے خالی ہو۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ کتبِ مقدسہ میں جسقدر قصص ہیں سب کے سب تاریخی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اور یہی شاید دنیا کے سب سے پرانے قصے ہیں۔ لیکن ازبسکہ علم و تہذیب کے بالکل ابتدائی زمانہ میں قصہ کہانی عالم وجود میں آئے ہیں۔ اسلیے انکی ترقی و تکمیل کے لیے کوئی زمانہ اسقدر مناسب نہیں ہوسکتا جس قدر وہ زمانہ جسمیں کہ علم و تہذیب کی ترقی و تکمیل ہو یہی وجہ ہے کہ بلا استثناء دنیا کی تمام مہذب قوموں کے علم ادب میں قصے کہانی نہایت ہی ممتاز جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ اور بڑے بڑے طباع نکتہ سراؤں کے حسنِ تخیل کا سرمایۂ ناز رہے ہیں۔ ہندوستان کے نہایت ہی نادر القویٰ اُستادوں کی قابلیتیں ان پر صرف ہوئیں۔ عربی میں الف لیلہ۔ منطق الطیر۔ یقظۃ الروح جیسے عدیم المثال قصے لکھے گئے۔ فردوسی۔ جامی۔ سعدی۔ رفیع بازل۔ واعظ سے سحر طرازوں نے اپنی جدتِ طبع کے آبِ حیات سے اس چمن کو سینچا۔ رومتہ الکبریٰ کے عین زمانہ اقتدار میں ہومر ایسے آدمیوں نے اسمیں گلکاریاں کیں۔ بوکیو اور شکسپیر جو یورپ

کی تاریخ میں نہایت ہی کامل معنی میں شاعر کہلائے جانیکے مستحق ہیں قصہ نویس ہی تھے۔لافونٹین[1] کی شہرت کو قصہ نویسی سے جو فیض پہنچا وہ شاید کسی دوسرے مصنف کو نصیب حاصل نہیں ہوا جرمنی میں گوئیٹے ساگہرا فلسفی قصہ نویسوں کی فہرست میں نظر آتا ہے۔

قصص کی بہت اقسام ہیں بعض قصے از اول تا آخر سچے ہوتے ہیں مگر نہایت دلچسپ۔بعض جھوٹے ہوتے ہیں مگر نہایت نتیجہ خیز۔اکثر قصص میں حیوانات و نباتات کا ذکر اس طرح کیا ہے۔گویا وہ آدمیوں کی طرح ہنستے بولتے مغموم وشاد ہوتے ہیں۔اس قسم کے قصص کی لطیف ترین نوع وہ داستانیں ہیں جنہیں آدمی کے مختلف جذبات و خصائل و خصائص کو مرد وعورت فرض کر کے داستان کے پیرایے میں چلتے پھرتے۔کام کرتے۔کامیاب و ناکام ہوتے دکھایا ہے۔قدما سے بعض مشہور تنقید لکھنے والوں کی رائے ہے کہ ہومر کا اوڈیسی اسی قسم کی داستان ہے رومتہ الکبرے کے اکثر بہترین مصنفین نے اسی قسم کے قصص پر طبع آزمایاں کی ہیں ہر سپینسر کی فیری کوئین از اول تا آخر اسی قسم کی کہانی ہے۔قدما میں اعلے درجہ کے نثر لکھنے والوں پر نظر ڈالیے تو سسرو وزینوفن۔افلاطون اسی نوع کے قصہ لکھنے والوں میں ہیں۔یورپ میں سب سے اول جس نے اس قسم کے قصہ لکھنے کی بنیاد ڈالی وہ غالباً پروڈیکس تھا جو سقراط سے قبل اور علم و فلسفہ کے عین ابتدائی زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ہندوستان کو اس ادائے خاص میں ید طولے رہچکا ہے اہل ہنود کی مذہبی کتابیں ایسے پاکیزہ قصص سے بھری پڑی ہیں جنہیں فقط فطرۃ انسانی ہی کو بیان نہیں کیا بلکہ قوانین قدرت کی مختلف بنانے اور بگاڑنے والی یا آرام دہ و تکلیف رساں قوتوں کو راکشسوں اور دیوتاؤں کے نام سے موسوم کر کے قوانین فطرۃ کے طرق عمل کو ان دیوتاؤں اور راکشسوں کی دلچسپ سرگزشت بنا دیا ہے۔

[1] ایک مشہور فرانسیسی مصنف ۱۲

میرا ناچیز حافظہ جسقدر مصالحہ اسوقت بہم پہنچا سکا اُسکی امداد سے یہ مختصر تمہید عرض کرنیکے بعد میں آخر الذکر قسم کا ایک چھوٹا سا قصہ ہدیۂ ناظرین کیا چاہتا ہوں مگر پہلے چند لفظوں میں اُسکا محل نگارشں بیان کروں ۰۰

افلاطون سقراط کی موت کے حالات میں لکھتا ہے کہ جس روز اسے موت ملنے والی تھی حسب دستور سقراط کے پاؤں سے بیڑیاں کاٹ دی گئیں اُس وقت سقراط اپنے شاگردوں کے مجمع میں پاؤں پر پاؤں دھرکے بے پروایانہ انداز سے بیٹھا تھا۔ بیڑی سے جو سیاہ نشان پاؤں پر پڑ گیا تھا اُسے اپنے ہاتھ سے ملا اور معمولی فلسفیانہ انداز سے خیال کرنے لگا کہ پاؤں کے جس حصے کو ابھی بیڑی سے جسقدر تکلیف تھی اُسی حصے کو ملنے سے اب راحت ہوتی ہے۔ اِس مضمون نے اُسکے خیالات عام تکلیف وراحت کی نوعیت پر منعطف کر دیے اور اُس نے کہا کہ تکلیف و راحت ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ اگر کوئی معقول سمجھ کا مصنف راحت و تکلیف کو آدمی قرار دیکر قصہ لکھے تو ان متضاد کیفیتوں میں ایسا اتحاد دکھانا پڑے گا کہ ایک لمحے کیلیے بھی ایک کو دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہوگا جہاں اور جس مقام پر ایک کا گزر ہوگا وہیں دوسری کیفیت بھی بے اختیار موجود ہو جائے گی ۰۰

افلاطون اپنے استاد کے ایسے بے تعلق خیالات کو جو اُس قیامت خیز دن کے افسوسناک کاروبار سے علاقہ نہ رکھتے تھے۔ اگر بڑھانا مناسب سمجھتا تو نکتہ مجوزہ پر ضرور کوئی نہایت ہی نادر قصہ لکھتا۔ لیکن از بسکہ نہیں لکھا ہم سے ہیچمدانوں کو موقع ملا ہم اِس جلیل القدر حکیم اور زندۂ جاوید مصنف (افلاطون) کے تتبع میں اُس کے اُستاد کے نکتہ لطیفہ پر ذیل کی کہانی پیش کرتے ہیں ۰۰

دو خاندان ہمیشہ سے آباد چلے آتے تھے اور ابتدا ہی سے ایک دوسرے کی ایسی ضد تھے جیسا اندھیرا اُجالے کی۔ پستی بلندی کی۔ ان میں ایک خاندان جنت میں

رہا کرتا تھا دوسرا جہنم میں۔ مسبوق الذکر دو دومان کے سب سے کم سن وارث کا نام تھا مسرت خاتون یہ بی راحت کے بطن سے اور بی راحت نیکی کی لڑکی اور نیکی فرشتوں کی نسل سے تھی۔ اور جیسا کہ بیان ہوا یہ سب جنت میں آباد تھے۔

مخالف خاندان کا سب سے نوعمر وارث تھا میاں غم۔ یہ مصیبت کا بیٹا اور مصیبت گناہ کی بیٹی اور گناہ شیاطین کی اولاد سے تھا اور یہ سب جہنم میں رہا کرتے تھے۔ ان دونوں انتہائی دوریوں یعنی جنت اور جہنم کا جو مقام عین وسط تھا اُسکا نام زمین تھا یہاں بھی خدا کی مخلوق آباد تھی مگر نہ اہل جنت کی طرح نیک نہ اہل جہنم کی طرح بد۔ اس مخلوق میں اہل جنت و اہل جہنم دونوں کے نیک و بد آثار یکساں موجود تھے۔

ذات ذوالجلال کو خیال ہوا کہ زمین پر رہنے والی مخلوق جو آدمی کے نام سے مشہور ہے اس قدر پر معاصی نہیں کہ تکلیف ہی تکلیف اور رنج ہی رنج میں رکھی جائے نہ اتنی نیک ہے کہ بالکل مسرت و راحت ہی میں رہ سکے۔ پس نیکی اور بدی میں امتیاز کرنے کی غرض سے حکم فرمایا کہ مذکورہ خاندانوں کے سب سے نوعمر ورثا مسرت خاتون جو راحت کی بیٹی ہے اور میاں غم جو مصیبت کا فرزند ہے فضائے قدرت کے اس درمیانی حصہ پر کہ اُن کی دوریوں کا وسط ہے۔ آکر باہم ملاقی ہوں اور باہمی رضامندی سے نوع انسان کو اپنے درمیان تقسیم کرلیں۔

چنانچہ مسرت خاتون اور میاں غم جہنم اور جنت سے چلکر زمین پر ملاقی ہوئے اور ملتے ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ اس مخلوق میں جو ہماری سپرد کی گئی ہے جسقدر نیک ہیں اُنپر مسرت خاتون اپنا عمل کرے۔ اور جسقدر بد ہیں اُنہیں میاں غم اپنے قبضہ میں لائیں۔ اب جو قبضہ کرنے کی غرض سے نیکوں اور بدوں میں امتیاز کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ برخلاف جنت و جہنم کے یہاں کی مخلوق نہ محض نیک ہے نہ محض بد ہے ہر شخص بھی کوئی ایسا نہ تھا جسمیں نیکی مطلق نہو۔ اسی طرح کوئی نیک سے نیک ایسا نہ تھا

جس میں ذرا سی بھی بدی نہو - جو انتہا درجہ کے نیک تھے - اُنپر بھی کچھہ اثر غم کا اور جو انتہا درجہ کے بد تھے اُنپر کچھہ کچھہ حق مسرت کا پہنچتا تھا - لہذا ہر شخص پر دونوں کو حکومت کرنیکا مجاز حاصل تھا - خیال کیا گیا کہ معاملات کی اگر یہی شکل رہی اور مسرت و غم نے ہر شخص پر اپنا عمل دخل کرنے کی جداگانہ کوشش کی تو دونوں میں لاتعد جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور سُلجھائے نہ سلجھیں گے - آخر بعد تعمق و تفحص کے بعد قرار پایا کہ مسرت خاتون اور میاں غم کا باہم عقد کر دیا جائے تاکہ شوہر و زوجہ بنکر اہل زمین پر حکومت مشترکہ بصلح و آشتی کر سکیں - چنانچہ دونوں کی باہم شادی ہوگئی اور پیار و محبت سے رہنے لگے ۔

یہی سبب ہے کہ دنیا میں مسرت و غم - تکلیف و راحت کا چولی دامن کا ساتھ ہے جہاں جاتے ہیں ساتھ ساتھ جاتے ہیں - اگر کہیں ایک ذرا پہلے جا نکلا تو دوسرا بھی فوراً اُسکے پیچھے پیچھے آ موجود ہوتا ہے - جسے غم نصیب ہو سمجھہ لو کہ اُسے خوشی بھی ہونیوالی ہے - اسیطرح جسے شادی ہو یاد رکھو کہ عنقریب غم اُٹھانیوالا ہے - یہانتک ہر تکلیف کے بعد راحت اور ہر راحت کے بعد تکلیف ضرور ہے - غم و نشاط - مسرت و رنج لازم و ملزوم ہیں +

لیکن یہ مناکحت مسرت خاتون اور میاں غم کے ذاتی معاملات کے لیے ہر چند کہ آسانی و درستی کا سبب ہوئی تاہم خالق نے جس مطلب کے لیے مسرت و غم کو زمین پر نازل کیا تھا وہ پورا نہوا - یعنی اہلِ زمین میں رنج و خوشی مخلوط ہی رہی نمایاں فرق نہ ہوا - پس نمایاں فرق کرنے کی غرض سے شوہر و زوجہ نے متفق ہو کر ایک عہدنامہ لکھا جسپر دونوں خانداتوں کے دستخط اور مُہریں ثبت ہوئیں مضمون عہدنامہ کا یہ تھا - کہ زندگی میں مسرت و غم کی حکومت سب پر اگرچہ مشترکہ رہے گی لیکن بعد اس زندگی کے یہ اشتراک حکومت میں باقی نہ رہے گا - مرنے پر جس

شخص میں بدی کی ایک خاص مقدار پائی جائے گی وہ بذریعہ میاں غم کے پاسپورٹ کے جہنم روانہ کیا جائے گا۔ تاکہ وہاں مصیبت اور گناہ اور شیاطین کے ساتھ بسر کرے۔ برخلاف اِسکے جس شخص میں نیکی کی ایک تعدادِ معین ہوگی وہ بذریعہ مسرت خاتون کے پاسپورٹ کے روانہ جنت ہوگا تاکہ وہاں راحت اور نیکی اور فرشتوں میں رہے +

سید محمود حسین جعفری

قیدِ حیاتِ غم سے۔ تیرا آج یہ قیدی چھوٹ گیا
پھوڑا تھا اک دل کے اندر رات وہ پھوڑا ٹوٹ گیا

ظلم و ستم کی تجکو عادت ضعف سے اپنے میں لاچار
مجھ میں رکھا تھا ہی کیا اک تارِ نفس تھا۔ ٹوٹ گیا

ناز نے آفت ڈھائی تھی ہی غمزے نے سفاکی کی
مایۂ صبر و شکیب و راحت یہ تو سبھی کچھ لوٹ گیا

میرے جھک کے ملنے پر تم اور بھی کچھ کھنچتے ہی گئے
رشتۂ الفت نازک تھا اس کھینچ کھنچاؤ میں ٹوٹ گیا

صدمۂ فرقت ضعف کی حالت۔ دل سے گو نکل ہی گئی
دامنِ صبر اس کمزوری میں آخر ہاتھ سے چھوٹ گیا

انساں یوں جو چاہے سمجھے ورنہ حقیقت ہے کیا اسکی
پانی کا اک بلبلا سمجھو۔ اٹھا۔ اٹھکر ٹوٹ گیا

ہم نے فہیم اس الفت میں کچھ ایسے صدمے اٹھائے ہیں
حُسن فروشی بازاری سے چھوٹ گیا دل چھوٹ گیا

فہیم الدین احمد فہیم

کلیاتِ اکبر[1]

نظم اردو کے شایقین بالعموم اور کلام اکبر کے شیدائی بالخصوص یہ معلوم کر کے بہت خوش ہونگے کہ جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب کے فرزند ارجمند سید عشرت حسین صاحب بی اے نے جو تھوڑا عرصہ ہوا کیمبرج سے فارغ التحصیل ہوکر واپس تشریف لائے ہیں اپنے والد ماجد کے کلام کا مجموعہ ترتیب دے کے شائع کرا دیا ہے۔ انہوں نے اس اشاعت سے نہ صرف اپنا ایک اہم فرض ادا کیا ہے بلکہ اردو علم ادب کی ایک معقول خدمت کی۔ اور وہ ہمارے دلی شکر کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب کئی حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں حال کی غزلیں درج ہیں جنھیں دورِ سوم کی غزلیں کہا گیا ہے۔ دوسرے میں بیس پچیس سال قبل کا کلام ہے۔ اور اس حصہ کا نام دورِ دوم رکھا گیا ہے تیسرے حصہ میں اس سے بھی پیشتر کا کلام ہے جسے جناب اکبر کی طبع رسا کی مشق اول کہنا چاہیے اور اسی لیے اُسکا نام دورِ اول رکھا گیا ہے۔ انکے علاوہ رباعیات و قطعات و متفرقات ہیں جن میں اکثر ظرافت کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ یوں تو ہر حصہ دلچسپ ہے مگر اس میں شک نہیں کہ فاضل مصنف کی طبیعت کا اصلی رنگ دورِ سوم ہی میں نظر آتا ہے گویا شاعر کا بڑھاپا اُسکے کلام کا شباب ہے کہ وہ سارے جوہر جو ازل سے اسکی طبیعت میں ودیعت کیے گئے تھے اور جو دورِ اول میں بھی تغزل کے زمانہ میں اپنی جھلک دکھا جاتے تھے اور دورِ دوم میں رفتہ رفتہ ترقی پا رہے تھے۔ آخرکار جناب اکبر کی

[1] مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک عار۔ ملنے کا پتہ۔ جناب سید عشرت حسین صاحب بی اے ڈپٹی کلکٹر سیتاپور۔ یا جناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج الہ آباد۔

شاعری کا جزو اعظم بن گئے۔ اس زمانہ کا کوئی سیاسی مذہبی تمدنی اور اخلاقی مسئلہ ایسا مشکل سے ہوگا جس پر اکبر نے رائے زنی نہیں کی اور وہ بھی ایسے لطیف پیرائے میں کہ جس فریق کی رائے سے موافقت کی وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اسکی خوشامد کی جا رہی ہے۔ اور جس سے مخالفت ہوئے شکایت کا موقع نہ ملے ہنستے ہوتے لطیفہ کہتے زلف و سنبل سے قطعی گریز کیے بغیر اور بندش کی خوبیوں اور چستی کا لحاظ رکھکر اس عمدگی سے یہ مظہر سخنور اپنا مطلب کہہ جاتا ہے اور ملک و ملت کی حمایت کا فرض ادا کر جاتا ہے ان ہی خصوصیتوں کی بنا پر میں نے رباعیات اکبر کا دیباچہ لکھتے وقت اپنے ایک دوست کا یہ قول نقل کر دیا تھا کہ اکبر کو لسان العصر کہیں تو بجا ہے۔ مجھے یہ دیکھکر بہت مسرت ہوئی کہ یہ لقب عام طور پر موزوں قرار دیا گیا۔ اور مقبول ہوا اور اب کلیات اکبر کے سرورق پر موجود ہے۔ میں چند اشعار نقل کرتا ہوں جنسے اس لقب کی یہ موزونی اور مناسبت واضح ہو جائے گی:۔

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے باخدا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محو ما سوا ہونا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا
نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا

خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا
جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اسکی چیزیں
یہاں تخت ہی تو پھر کیا وہاں میز ہی تو پھر کیا

کیسی ہی سلطنت ہو سب خش نہ ہو سکینگے
گر ترک ہی تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

اب ہر شعر نظر غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک بجائے خود ایک مضمون کا مسالہ ہے

پہلے شعر میں آجکل کی ایک خاص وقت کا جسے بسا اوقات اکثر لوگ محسوس کرتے ہیں بیان ہے۔ یعنی اس ملک میں مسلمانوں کو ایک طرف ہند و تمدن اور دوسری طرف انگریزی تہذیب سے سروکار ہے کبھی ایک کے زیر اثر کبھی دوسرے کے تابع فرمان ہیں۔ اور انہیں اپنے اصلی رنگ پر قائم رہنے اور اپنے فرائض کما حقہ ادا کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں ہیں۔ اس مطلب کو بت اور مس کے استعارے میں ادا کرنا انتہائے بلاغت ہے۔ اور یہ استعارات جناب اکبر ہی نے اپنے لیے ایجاد کیے ہیں جیسے حافظؒ ساقی و مے سے طرح طرح کے معانی پیدا کرتا ہے جنہیں ارباب نظر سیاق کلام سے سمجھ جاتے ہیں اسیطرح کلام اکبر میں بت اور مس کئی معنی رکھتے ہیں۔ کہیں بت سے مراد ہندو اور مس سے مراد انگریز ہے۔ مثلاً ان دو شعروں میں جو اردو ناگری کے ناگوار جھگڑے کے دنوں میں کہے گئے تھے +

بتوں نے کہدیا چل ہٹ تجھے ہندی نہیں آتی

مسوں نے کہدیا جا تجکو انگریزی نہیں آتی

مگر اکبر کہ اب تک مر رہا ہے ان حسینوں پر

قیامت ہے کہ بیغیرت کو شرم اب بھی نہیں آتی

کہیں بت سے مراد ہندی عورتیں اور مس سے مراد انگریزی عورتیں لیجاتی ہے اور شاعر جدید تحریکوں میں سب سے زبردست تحریک یعنی سودیشی کیطرف اشارہ کرکے ہندی نوجوانوں کو اپنے ملک کی عورتوں کی قدردانی کی ترغیب دیتا ہے جیسے اس شعر میں +

بتوں کو چھوڑ کر کیوں جاؤں میں اس مس کی پیشی میں

متاع حسن بھی داخل ہے تحریک سودیشی میں

اور کہیں لفظ بت ہندو تمدن کا اور لفظ مس انگریزی تمدن کا قائم مقام ہوتا ہے جسکی

مثال خود یہ ہی شعر ہے جو سب سے پہلے نقل کیا گیا اسکے ساتھ کے دوسرے شعر میں مغربی طریق تعلیم پر مذہب سے بیگانہ ہونے کا اعتراض نہایت زور سے ظاہر کیا گیا ہے اور ایک معنی میں اسی اُصول پر زور دینا کہ نئی تعلیم بغیر مذہبی تعلیم کے مفید نہیں۔ جناب اکبر کے کلام کا خاص مقصد اور موضوع ہے۔ مدتیں ہوئیں جب سر سید احمد خاں مرحوم نے علیگڈھ میں علوم جدیدہ اور زبانِ انگریزی کی ترویج کا جھنڈا گاڑا اور اُنکے مداح اور دوست اُنکے ہمخیال ہو کر انکی تائید میں کھڑے ہوئے تو خان بہادر اکبر حسین صاحب نے اس تحریک کی بعض کمزوریوں کی طرف اپنے شاعرانہ اور ظریفانہ پیرایے میں قوم کو متوجہ کرنا شروع کیا اور سید صاحب کو اس طرح اپنا مخاطب بنایا جیسے پُرانے شعرا واعظ اور زاہد سے خطاب کر کرکے اپنے اشعار کو دلچسپ بناتے تھے۔ گویا سید صاحب کی ذات سے خطاب کرنیکے علاوہ اس نئی تعلیم اور انگریزیت کا قائم مقام اُنہیں ٹھیرایا ابتدا میں کہیں کہیں ایسی تیزی سے نکتہ چینی کی کہ بعض لوگوں نے اکبر کو سید مرحوم کا مخالف اور اُن کے کام کا دشمن جانا۔ لیکن آخر ان دونوں بزرگوں کے تعلقات باہمی اور خود جناب اکبر کے طرزِ عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ انگریزی تعلیم کے مخالف نہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ انگریزی تعلیم پاکر نوجوان اپنے مذہب سے بالکل غافل اور بیخبر نہو جائیں اور اسپر اصرار کرتے ہیں کہ اول اور مقدم ضرورت مسلمانوں کا باخدا رہنا ہے۔ اور باقی سب خوبیاں اُسی صورت میں خوبیاں ہیں کہ جب یہ صنعت اِن میں موجود ہو۔ اُس زمانے میں تعلیم جدید کے نئے نئے جوش کے سبب کسی نے اس آواز پر کان نہ دھرا مگر آج جب افسران محکمہ تعلیم حکام انگریز اور دیگر اہل الرائے کیا ہندو کیا مسلمان مذہبی تعلیم کی ضرورت کے مقر ہیں اور اُن خراب نتائج کا احساس کر رہے ہیں جو تعلیم یافتہ جماعت میں مذہب سے الگ رہ کر پیدا ہوئے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ

اکبر کی نصیحت گو تلخ معلوم ہوتی تھی کسقدر حق بجانب تھی اور کتنی دور اندیشی پر مبنی تھی۔ شاید کوئی یہ کہے کہ سید صاحب نے خود اس ضرورت کو محسوس کر کے کالج میں مذہبی تعلیم کو رواج دے دیا تھا۔ پھر اکبر کی تاکید مزید کی کیا ضرورت تھی۔ اسکا جواب ان شعروں میں سے جو آغاز مضمون میں نقل کیے گئے ہیں تیسرے شعر میں موجود ہے۔ یعنی مذہب صرف کتابوں سے اور کالج سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نور ایمان انسان کے قلب کو بزرگان باعمل کی نظر سے میسّر ہوتا ہے۔ اُنکی پاکیزہ زندگی اور اُنکی عمدہ مثال آدمی کو انسان بنا دیتی ہے۔ اور اکبر کو یہ شکایت تھی کہ جدید تعلیم لوگوں کو اس رستہ سے ہٹائے لیئے جاتی ہے اور عالمان باعمل دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ شکایت بیجا تھی ×

اکبر نے جیسے مشرق و مغرب کے باہمی تعلقات اور مغربی تعلیم کی کمزوریوں میں نہایت معقول رائے دی ہے۔ اسیطرح بہت سے اہم پولیٹیکل مسائل پر اُنکے خیالات نہایت غور کے قابل ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ جو خیر خواہی ڈر سے پیدا ہو وہ خیر خواہی نہیں ہے۔ اس ملک میں حکام وقت کے لیئے ایک انمول نصیحت ہے مگر افسوس ہے کہ بہت کم حاکم ایسے ہوں گے جو بے غرضانہ خیر خواہی اور غرضمند آنہ وفاداری میں فرق کر سکیں۔ اسیطرح یہ اصول کہ کوئی سلطنت سب کو خوش نہیں رکھ سکتی ایک بالکل سچا اصول ہے جو ہر وقت پیشِ نظر رہنا چاہیئے اور اس اُصول کو بیان کرتے ہوئے اکبر کا یہ کہہ جانا کہ "گر ٹرک ہی تو بپھر گیا انگریز ہے تو پھر گیا" ایک نہایت پر لطف نکتہ ہے جسکی خوبی محتاج بیان نہیں ×

مذہبی اور پولیٹیکل امور کے بعد سوشل امور کا درجہ ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی اشیاء کا استعمال کس سرعت کے ساتھ ہمارے گھروں میں بڑھ

رہا ہے اور کس طرح لوگ دیوانہ وار یہ سمجھتے ہیں کہ لباسوں میں لباس ہے تو انگریزی۔ گھر میں فرنیچر اگر انگریزی ہے تو گھر ہے ورنہ خانہ بے در اور جو آرام اور آسایش ہے تو انگریزی طرز بود و باش میں ہے۔ اور ہمارا طریق ماند و بود بے لطف و بے آرام ہے تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابنائے ملک کو جتا دیا جائے کہ وہ اس قسم کی یکطرفہ رائے قائم کرکے بہت غلط رستے پر جا رہے ہیں اور یہ نہیں تو سوچتے کہ ہماری ضروریات ہمارے ملک کی حالت اور اُسکی آب و ہوا کے لحاظ سے بہ حیثیت مجموعی ہماری اپنی چیزیں زیادہ موزوں اور آرام دہ ہیں اور اندھا دُھند ہمارا شوق سامان مغربی ہمیں بے شمار مشکلات میں ڈال رہا ہے اور ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ "یاں تخت ہی تو پھر کیا وہاں میز ہے تو پھر کیا" میں کس سلیس اور عام فہم طریق سے اور کسقدر اختصار کے ساتھ یہ بسیط اور ضروری مضمون ادا ہو گیا ہے *

یہ چند اشعار جو میں نے نمونتہً پیش کئے۔ ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اکبر کے ہر قسم کے خیالات انسے معلوم ہو گئے۔ اسمیں شک نہیں کہ کچھ موٹی موٹی باتیں جو اُن کے کلام میں اکثر آتی ہیں ان شعروں کو پڑھ کر سمجھ میں آسکتی ہیں۔ لیکن کلیات اکبر مضامین رنگارنگ کا ایک دریا ہے جسکی غواصی کئے بدون معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس خوش فکر شخص نے اپنے کلام میں کیا کیا موتی پروئے ہیں۔ بہ حیثیت مسلمان ہونیکے اکبر نے اپنی نصائح کا مخاطب بیشتر اپنے ہمقوموں کو بنایا ہے۔ لیکن بہت سی دل آویز نصیحتیں ایسی ملیں گی جنسے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاعر گو ایک غیور مسلمان ہے تاہم تنگ خیالی سے بری ہے اور اُسکے دلمیں اپنے مذہب کی محبت کے بعد اپنے ملک کی محبت کا بھی گھر ہے اسی سبب سے وہ جا بجا نہایت وسیع خیالی سے اپنے ہندو بھائیوں کو بھی کارآمد

مشورے دیتا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ ۔۔۔ اے مسلماں سبحہ لے ای برہمن زنار باندھ

یعنی جیسے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہے کہ تسبیح ہاتھ سے نہ چھوڑیں اسیطرح ہندوؤں کو یہ رائے دیتا ہے کہ وہ زنار کو باندھے رہیں اور اپنے مذہب سے نہ ہٹیں۔ اور ان دونوں مشوروں کو ایسا ضروری سمجھتا ہے کہ انہیں بار بار لکھنا عیب میں داخل نہیں سمجھتا بلکہ اپنا فرض قرار دیتا ہے:-

ہندوستان کی آجکل کی زندگی میں شاید انگریزوں اور ہندوستانیوں کے میل جول کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے اور اسپر اخبارات میں سیکڑوں کالم اور رسالوں میں سیکڑوں اوراق سیاہ ہو چکے ہیں۔ اکبر اسکے متعلق ایسا خیال ظاہر کرتا ہے جو ہندو مسلمان ہر طبقہ رعایا کے دلمیں موجود ہے اور جسے انگریزوں میں بہت تھوڑے لوگ سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں:-

یہ فقط نہیں ہے کافی کہ مزاج پوچھیں ۔۔۔ میرے دردِ دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

اہل مغرب نے مشرقی ممالک پر تسلط حاصل کرنیکے لیئے جو باریک طریقے ایجاد کیئے ہیں اُسکی توضیح کے لیئے یہ شعر قابل ملاحظہ ہے:-

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں ۔۔۔ مغربی اُسکی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اسی مضمون کو جو اس شعر میں مختصراً بیان ہوا زیادہ شرح کیساتھ ایک غزل میں بیان کیا ہے جسکے تین چار شعر ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں:-

برق کی صورت پہنچتا ہے طبایع پر اثر ۔۔۔ آگیا تارِ امید و بیم انکے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں انقلاب ۔۔۔ قوم اُنکے ہاتھ میں "تعلیم اُنکے ہاتھ میں"

جج بناکر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل ۔۔۔ ہیں نہایت خوشنما دو جیم اُنکے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی ۔۔۔ ایک دن دیکھیں گے ہفت اقلیم اُنکے ہاتھ میں

اب تک ہم نے اکبر کی ظرافت کے کوئی نمونے پیش نہیں کیئے۔ مگر ظریفانہ اشعار کے بغیر اُنکے کلام کی تنقید نامکمل رہجائے گی۔ کیونکہ ظرافت ایسی چیز ہے کہ تشریح سے اُسکا لطف جاتا رہتا ہے۔ اسلیئے یہ اشعار بغیر کسی حاشیہ چڑھانے کے نقل کیئے جاتے ہیں۔ البتہ یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ اِن اشعار میں بھی اِس زمانے کا ہر ضروری مسئلہ بڑی خوبی سے حل کیا گیا ہے۔

حیراں ہیں اِس زمانہ میں ہم جی کے کیا کریں — جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجہ کی ہوتی نہیں نصیب — پھر گھر میں بیٹھکر بجز اے بی کے کیا کریں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں — اور تیرے بیاں کی دل آویزی میں
شیطاں عربی سے منہ میں ہے بیخوف — لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

وضع مغرب جب سمجھکر دیکھا تو یہ کافور تھی — اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھا

اُردو کے تین ربع کے مالک ہیں خم و ہنود — پھر کیا سبب جو اس سے اُنہیں انحراف ہے
یعنی اُردو ہے چیز اُنہیں کے مذاق کی — اُردو کے تین جزو یہ ہی صاف صاف ہیں

اے شیخ جب نکیل نہیں دست قوم میں — پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گیے

اضافہ ہوئی مجھسے گندم پہ مے — یہ پوتے سہی بھی اک خطا ہو گئی

رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی — نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

ابھی انجن گیا ہے اِس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ظریفانہ اشعار کے متعلق کچھ اور لکھنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لفظ انجن کی تھوڑی سی شرح کردیجائے۔ کلام اکبر میں لفظ انجن بُت اور مِس کیطرح اصطلاح کا رتبہ رکھتا ہے۔ آجکل کی مادی ترقی کا مجسم قائم مقام ہے اور اسپر جو پھبتی کہی جائے وہ مادی ترقی پر اعتراض ہوتا ہے۔ شعر مندرجہ بالا میں جو ہوا کی تاریکی کیطرف اشارہ کیا گیا ہے اُسمیں گو یہ ظاہری لطف بھی موجود ہے کہ انجن جدھر سے نکل جائے ہوا تاریک ہوجاتی ہے۔ مگر یہ باطنی اعتراض بھی صحیح ہے کہ مشینوں اور کلوں کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور روحانی تاریکی اکثر ممالک میں داخل ہوتی جاتی ہے۔

ظرافت اِسمیں شک نہیں کہ ہمیشہ مہذب نہیں ہوتی۔ گو ہم نے جو اشعار انتخاب کرکے پیش کیے ہیں وہ جوہرِ تہذیب سے آراستہ ہیں۔ تاہم کلیات کے حصہ ظرافت میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جو ہمارے نزدیک صفحہ کاغذ پر نہ اُترنے چاہئیں تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اکبر جیسا طباع شخص اگر اُسکو کوئی لطیفہ سوجھے تو اُسکے کہنے سے رُکجاتا۔ مگر اِس صورت میں کہ وہ مہذب ظرافت کے دائرہ سے خارج ہو اُسکو چھپوانا مناسب نہیں کیونکہ چھپی ہوئی چیز ہر کہ و مہ زن و مرد پیر و جواں کے ہاتھ میں جاسکتی ہے۔ اور اِس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ نو عمر طبائع پر ایسی ظرافت کا اثر کیا پڑ سکتا ہے۔ ایسے لطیفے بے تکلف صحبتوں کی تفریح کے لیے زبانی بیان ہوسکتے ہیں۔ مگر اِس کتاب میں اُنکا آجانا کتاب کی عام وقعت میں کسیقدر خلل انداز ہوگا اور ہمارا خیال ہے کہ جب اِسکے دوبارہ طبع ہونے کی نوبت آئے تو اِس پہلو سے نظرِ ثانی نہایت مفید ہوگی ❊

ایک اور اعتراض قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ گو انگریزی الفاظ کے استعمال میں جناب اکبر کو ایک مہارت خاص حاصل ہے اور وہ اُنھیں اکثر جگہ اردو میں نہایت خوبصورتی سے کھپاتے ہیں پھر بھی کہیں کہیں یہ استعمال حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے جو نامناسب معلوم ہوتا ہے اور اس بارے میں کسیقدر احتیاط سے کام لینا کلام اکبر کی بیشمار خوبیوں کو بڑھا دے گا۔ جن اشعار میں انگریزی لفظ بے تکلف بندھے ہیں اور لطف دے رہے ہیں یا ناگزیر تھے اُن کے نمونے ہم پیش کرتے ہیں اور اُسکے بعد کچھ ایسے اشعار نقل کرینگے جن میں وہ تکلف سے لائے گئے ہیں یا ضرورت سے زیادہ بھرتی کیے گئے ہیں۔ اور اس مقابلہ سے اس اعتراض کی توضیح ہو جائے گی۔

مناسب انگریزی الفاظ

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل — بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ایسی پری اور مجکو پیار لکھے — القاب میں دیکھیے ڈیر کلو ہے

حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم — روح بھی اب تو کورس جیتی ہے

کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج — مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی

اجل آئی اکبر گیا وقت بحث — اب اُف کیجیے اور نہ بحث کیجیے

نامناسب انگریزی الفاظ

ممکن نہیں اے مس تیرا فوٹو نہ لیا جائے — گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

جب میں کہتا ہوں کہ گوڈ می کس ڈیر — سر جھکا کر کہتے یو مے ٹیک ہیر

زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ ان انگریزی الفاظ اور فقرات کے ساتھ اُن کے اردو معنی بھی درج نہیں کر دیئے گئے اور اِس وجہ سے جو لوگ انگریزی سے بالکل ناآشنا ہیں وہ اُنکے معنی سمجھنے سے بالکل قاصر رہیں گے ؛

آخر میں ہم بہ حیثیت مجموعی اِس لاجواب کتاب کی دل سے داد دیتے ہوئے اتنی بات اور کہدینی ضروری سمجھتے ہیں کہ ترتیب کے لحاظ سے اگر دَورِ اول کو پہلے اور دَورِ سوم کو بعد میں رکھا جاتا تو اُس سے علاوہ قدرتی تناسب ترتیب کے یہ فائدہ حاصل ہوتا کہ کلام کے ناظرین کو جناب اکبر کی شاعری کی رفتار کی تدریج نظر آجاتی کہ کس طرح شروع ہوئی اور کہاں تک بڑھی اُسکے ابتدائی دَور میں کونسی چیز تھی جو اِس کمال ترقی کا پتہ دیتی جو آخر اُن کے کلام نے حاصل کیا ہے اور جسکی بدولت وہ جدید ادب اُردو کے اُن اساتذہ میں آگئے جنکا نام اُسوقت تک زندہ رہیگا جب تک یہ زبان اور اسکا علم ادب زندہ ہے ؛

عبد القادر

گورنمنٹ کی قدردانی ۔ ناظرین مخزن یہ سن کر یقیناً خوش ہوں گے کہ اِس رسالہ اور اِس پریس کی کتابوں کے ذریعہ سے جو خدمات ادب اردو کی ہو رہی ہیں اُنکا اعتراف گورنمنٹ کی طرف سے ہوا ہے۔ جناب جے۔ سی۔ گاڈلے صاحب بہادر ایم اے ڈائرکٹر محکمہ تعلیم پنجاب نے بحیثیت سکرٹری صیغہ تعلیم مندرجہ ذیل چِٹھی مورخہ ۵ اپریل ۱۹۰۹ء بنام شیخ عبد القادر ارسال فرمائی ہے۔ ”مجھے ہدایت کیگئی ہے کہ میں آپ کو اطلاع دوں کہ ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے منظور فرمایا ہے کہ دو سو روپیہ کا یہ چک آپ کو بھیجا جائے۔ بلحاظ اُن خدمات کے جو آپنے اُردو علم ادب کی ترقی کیلئے کی ہیں“ ؛ ہم ہز آنر کا اور ڈائرکٹر صاحب بہادر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنھوں نے قدردانی کے اظہار سے ہماری حوصلہ افزائی کی ؛

انقلاب

(۱)

سوتیلی ماں

کلیجہ تھام لوگے جب سنوگے
نہ سنوائے خدا شیون کسیکا

"میری اماں! میری پیاری اماں! تم کہاں ہو؟ خدا کے لیئے تم اپنی شکل تو دکھادو۔ دیکھو تو سہی۔ تمھاری پیاری کی کیسی گت ہے؟ جسکو تم جگر کا ٹکڑا، کلیجہ کی ٹھنڈک کہتی تھیں، اُسکی۔ اُسکی جسے تم رات رات بھر اپنے سینے پر لٹائے رہتی تھیں۔ جسے تم جان سے زیادہ پیارا سمجھتی تھیں، پیاری اماں اُسکی جسے تم بسم اللہ کے گنبد میں پالتی تھیں، اب کیا حالت ہے؟ تم تو خبر ہی نہیں لیتیں۔ خدا جانے تم کہاں ہو؟ میرے سارے بدن میں درد ہو رہا ہے! دُلہن اماں آج میری کی قمچی لیکر اس طرح پلیں کہ ساری کھال روئی کی طرح دُھن ڈالی۔ دیکھو تو! بدھیاں پڑگئی ہیں، ساری چوڑیاں ٹھنڈی ہوگئیں (کروٹ لیکر) اوں کمر میں بھی تو درد ہورہا ہے، تم تو جواب ہی نہیں دیتیں۔ کیا مجھ سے خفا ہوگئی ہو؟ نہیں تو پھر آکیوں نہیں جاتیں۔ اچھی میری اماں میں اب نہیں رونے کی۔ میں جانتی ہوں تم کہا کرتی تھیں کہ میں تیرے رونے پر خفا ہوجاؤنگی۔ بس تم اُسی پر خفا ہوگئی ہو۔ دُلہن اماں کہتی ہیں کہ تم مرگئیں۔ خبر نہیں مرکر کہاں جاتے ہیں؟ اُستانی جی بھی تو وہاں کا رستہ نہیں جانتیں۔ خدا جانے کتنی (کتنی) دور گئی ہو؟ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ پیسے ڈولی پر ہو۔ نہیں تو میں آپ ہی چلی جاتی۔ سب کہتے ہیں کہ تم مرگئیں، مگر میں خوب جانتی ہوں تم مجھ سے خفا ہوگئی ہو۔

جب ہی تو خالہ اماں بھی جسدن سے بلانے گئیں پلٹ کر ہی نہ آئیں۔ کیا تم نے
اُنکو بھی روک لیا؟ پیاری اماں! میں تو اکیلی ہی رہ گئی۔ تم تو ایک لمحے دلچہ کے
لیے بھی مجھے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ اب خدا جانے کیا ہوگیا ہے
کہ تم خبر ہی نہیں لیتیں، سُنتیں ہی نہیں" (تھوڑی دیر چپ رہکر)

"ابا میاں بھی اب تو پیار نہیں کرتے۔ جب تم نئی نئی گئی ہوئی تھیں، تو وہ مجھے
ہر وقت گود میں لیے لیے پھرا کرتے تھے۔ بزار (بازار) بھی لیجاتے تھے اور مُنّے
مُنّے کھلونے بھی دلاتے تھے۔ کیا خبر کیا بات تھی۔ کہ جہاں اُنھوں نے مجھے دیکھا
اور رونے لگے: مگر اماں بی! سچ کہتی ہوں، جسدن سے وہ دُلھن اماں کو لائے ہیں
اور میری خالہ اماں تمھارے پاس گئی ہیں۔ بس اُسیدن سے وہ بھی مجھ سے خفا ہوگئے
ہیں، نہ مجھے گود میں لیتے ہیں نہ کوئی چیز لاکر دیتے ہیں۔ ابھی ابھی ختیجہ (خدیجہ)
نے اپنی گڑیا کی شادی کی تھی تو ابا میاں نے ایسے ننھے مُنّے برتن اور ایسے چمکتے
جھم جھماتے کپڑے اُسے لاکر دیئے تھے کہ بس میرا جی لوٹ گیا؛ اور میں اپنی گڑیا کے
لیئے کہتے کہتے تھک گئی، منہ سوکھ گیا، مگر اُس نگوڑی کے لیے ایک دوپٹہ بھی نہیں
لادیتے۔ اپنے آپ ہی برتن پونچھنے اور ڈبیاں صاف کر نیکے چیتھڑے اکٹھے
کرتی ہوں، دھوتی ہوں، اور اُستانی جی کے ہاں جاکر اُس نگوڑی اللہ ماری گڑیا
کے کپڑے سیتی ہوں۔ ابا میاں خبر ہی نہیں ہوتے۔ اور تو اور جب سے تم سدہاری
ہو۔ کئی عیدیں نکل گئیں، اُنھوں نے ختیجہ کو تو کھلونے بھی لاکر دیئے، بڑا سے
بیوڑیاں اور موتی پاک بھی لادیا۔ عیدی بھی دی۔ اور مجھے تو کچھ بھی نہ دیا۔ نہ ابا
میاں نے عیدی کی دوانی دی نہ دُلھن اماں نے۔ کھلونے تو الگ رہے،
اماں بی! مجھے تو کسی نے دودھ سوئیاں بھی نہ دیں۔ اب تو میری طبیعت
(طبیعت) بہت گھبراتی ہے، خدا کے لیئے تم کہیں آچلو، اور آؤ تو میرے لیئے

خوب اچھے اچھے کپڑے اور لال سبز دیا سلائیوں کے بکس ضرور لانا، اور میری اُستانی جی کے لیئے بھی چمکتی چمکتی جوتیاں لانا۔ جب تم گئی تھیں تو میں آم (عم) کا سپارا (سیپارہ) پڑھتی تھی، اب تو میں تبارک الذی بھی ختم کر نیکو ہوں۔ تم آو گی تو میرے قرآن ختم کرنے کی شادی کرو گی۔ میرے لیئے کپڑے بناوٗ گی میں خوب بہار کے کپڑے پہنونگی۔ کیوں اماں! خوب بہار کے کپڑے بناوٗ گی نا؟

اُب تو میرا بہت جی چاہتا ہے۔ ابا میاں تو عید کے عید کپڑے بناتے ہیں، اور بیچ میں جو کپڑا آتا ہے اُسمیں سے دُلہن اماں مجھے دیتی ہی نہیں، دیکھو تو! میرے پیجامے (پائجامہ) کا سارا گھٹنہ پھٹ گیا ہے، اُستانی جی نے پیوند لگا دیا ہے کوئی مجھے پوچھتا ہی نہیں۔ میری روٹی کی بھی خبر نہیں لیتے جب ابا میاں گھر میں نہیں ہوتے تو دُلہن اماں سارا کام مجھسے لیتی ہیں۔ برتن میں دھوتی ہوں، جھاڑو میں دیتی ہوں، اُگالدان میں مانجھتی ہوں، اور ختیجہ کو ساری دوپیر (دوپہر) پنکھا میں جھلتی ہوں، اماں پھر بھی تو دُلہن اماں مجھے کبھی پیار نہیں کرتیں۔ ختیجہ کو اپنے ساتھ لیکر سوتی ہیں، اور مجھے ایک چھوٹی سی کھٹولی پر جو جھلنگا ہو گئی ہے الگ سلا دیتی ہیں۔ اماں! میں رات کو بُرے بُرے خواب دیکھتی ہوں اُڈر جاتی ہوں، میری آنکھ کھل جاتی ہے، اور میرا کلیجہ دھڑ دھڑ کرنے لگتا ہے۔ میں روتی ہوں مگر کوئی نہیں اُٹھتا۔ پھر کانپتی کانپتی آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتی ہوں، اور زیادہ ڈر لگا تو پٹی سے چمٹ جاتی ہوں، تکیہ میں مُنہ گھسیڑ دیتی ہوں، پھر سو گئی تو سو گئی، نہیں تو ساری رات یوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی ہے اور کوئی آنکھ نہیں کھولتا۔ یہ تو دیکھو! ختیجہ کو تو دُلہن اماں اپنے ساتھ کھلاتی ہیں اور مجھے الگ دیتی ہیں۔ اگر میرا پیٹ نہیں بھرتا تو اور نہیں دیتیں۔ آج ہی رات کو جب سارا گھر کھا چکا تو دُلہن اماں نے ایک باسی روٹی اور دو

آلو کے قتلے جو ختیجہ کے آگے سے بچ رہے تھے مجھے دیئے۔ میں نے کھانے
مگر ... پیٹ نہیں بھرا، میں سچ کہتی ہوں، امّاں! مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی،
میں نے پھر جو دوسری دفعہ مانگا تو جھڑک کر بولیں۔ "چل دور ہو! ختیجہ کی بندوڑا
تجھے بھی بون لگے۔ امّاں کو تو کھا گئی اب کیا مجھے کھائیگی؟" میں چپکی اٹھ کھڑی ہوئی۔
اللہ کی قسم امّاں! اب اسوقت ایسی بھوک لگ رہی ہے کہ میرا کلیجہ کھنچا جاتا ہے۔
اور ہاں، امّاں! کیا تم مجھے بندوڑ بناگئی ہو؟ کیا میں ختیجہ کی بندوڑ ہوں؟ پیاری
امّاں! تمھیں اللہ میاں کی قسم، بتاؤ تو سہی کیا تم اپنی پیاری زبیدہ کو بندوڑ بناگئی
ہو؟ اچھی! اب تو تم آجاؤ! کام کرتے کرتے میرے ہاتھ دکھنے لگے، پیوند لگاتے
لگاتے میں گھبرا گئی، اور بھوکے رہتے رہتے میرے دم پر بنی جاتی ہے۔ خدا کے
لیئے آجاؤ، امّاں! پیاری امّاں! جلدی آؤ۔ امّاں جان! امّاں جانی!! اچھی تم
نہیں آتی ہو تو اپنی پیاری زبیدہ کو ہی اپنے پاس بلالو۔"

یہ جگر خراش الفاظ، اور یہ تڑپا دینے والے جملے، ایک دوشیزہ۔ کمسن اور
بھولی لڑکی کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں، جو ایک مکان میں ٹوٹی سی کھٹولی پر
پڑی اپنی مرحومہ ماں کی یاد میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی ہے۔ اس ستم نصیب بچی کو
ابھی دنیا کی گرم و سرد ہوا کھاتے کسیطرح نو دس سال سے زیادہ نہیں گزرے۔
مرحوم ماں اپنی غریب بچی کو آج خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چار برس کا عرصہ ہوا کہ غافل
اور بے پروا باپ کے سپرد کرکے کنج لحد میں آرام سے جا سوئی۔ ایک سال بعد زبیدہ کے
والد میاں محمود نے دوسری شادی کرلی جس سے ایک اور لڑکی خدیجہ پیدا ہوئی
شادی کی تو اچھا کیا، اور لڑکی پیدا ہوئی تو مبارک ہو! مگر زبیدہ! ستم نصیب زبیدہ!!
اُس ماں کی بچی جسپر میاں محمود جان چھڑکتے تھے، اس ظلم اور بے پروائی کے
لائق نہ تھی۔ آپنے ابھی دیکھا! اُسکے ننھے نازک ہاتھ پر اور نرم پتلی اور دبلی بانہہ پر

کیسے نیل پڑ رہے ہیں! آپ نے سنا وہ کیا کہہ رہی تھی؟

دس برس کی جان! اور یہ کچھ ظلم! اے آسمان! بس! اے تفرقہ پرداز بس۔ اے دنیا کے فانی کارخانے! تیری نیرنگیاں بھی کچھ غضب ہیں۔ اور اے تقدیر کے لکھے! تیرا بُرا نہو تو بھی عجیب چیز ہے۔ مگر نہیں۔ کارخانۂ قدرت پر الزام رکھنے والو! تقدیر کے سر نہ تھوپو۔ تقدیر اَن مٹ سہی! آسمان تفرقہ پرداز سہی! مگر اے بے پرواہ انسانوں! اسکا جواب وہ کون ہے؟ تم اور صرف تم۔ اے آنکھیں بند کر کے دنیا کے نشیب و فراز پر سفر کرنے والو! ہوشیار! اے غافل اور غیر مستقل مزاج والو! خبردار! یہ مان لیا کہ خدیجہ کی ماں زبیدہ کی سوتیلی ماں ہے مگر اے عقل کی آنکھوں سے کور! محمود۔ کیا تمھیں زبیدہ سے وہی تعلق نہیں جو خدیجہ سے ہے؟ ہے! بیشک ہے! کیا تمھیں یاد نہیں کہ مرحوم حمیدہ کے جیتے جی! زبیدہ سے تمھیں کسقدر اُنس تھا؟ مگر اب کیا ہوا۔ کیا زبیدہ صرف حمیدہ کی وجہ سے قابل محبت تھی؟ کیا یہ معصوم بچی ماں کے مرتے ہی تمھارے سینے جیتے جی مر گئی؟ اے عقل کے دشمن! بس کر بس۔ آخر اس تغافل کی کوئی حد بھی ہے اے کمزور مخلوق پر نام رکھنے والے سنگدلو! کیا عورتوں میں بھی کبھی ایسی بے اعتنائی دیکھی؟ اگر کوئی باپ مر گیا ہے تو کیا اُس بیوہ ماں نے بھی اپنی اولاد کو یوں ہی پالا پوسا ہے، جسطرح تم کرتے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ رحم انکی گھٹی میں ہوتا ہے۔ اور محبت اُنکی عصمت اور پاکبازی کا زیور ہے۔ وہ یسیر بچوں کو پالتی ہیں اور کچھ عجب طرح پالتی ہیں۔ وہ بچوں ہی کی محبت نہیں کرتیں! بلکہ مرحوم شوہر کی یاد میں ساری عمر خونِ جگر آنکھوں کے رستے بہاتی ہیں! اور اُس بچے کو دیکھتے ہی اکثر اوقات اُن کا کلیجہ مُنہ کو آنے لگتا ہے۔ مگر ہاں اے سرکش گروہ! اے ہوا و ہوس کے بندو! اگر ظالم ہو تو تم۔ تمھاری مُنہ دیکھے کی محبت پانی کا بلبلا ہے۔ تم استقلال اور

محبت کے میدان میں نہ باوفا بنے اور نہ بنو۔ شرم! اے بھولی اور نیک عورتوں پر حکومت کرنے والو! شرم!! سوتیلے پن کی بیہودہ عادتیں، نند بھاوجوں کے جھگڑے، اور ساس بہوؤں کے ذلیل تنازعات کی جڑ اگر غور سے دیکھا جائے تو تم ہو۔ بے شک تم ہو۔ اے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر غور نہ کرنے والو! اس کی پاداش تمہیں بھگتنی ہوگی۔ کیا تم اپنی لڑکیوں کو جاہل نہیں رکھتے؟ کیا تم جہالت کی وجہ سے یہ وحشیانہ خیال اُن میں پیدا نہیں کرتے؟ کرتے ہو اور ضرور کرتے ہو عورتوں کی بدمزاجی، اُن کی خودرائی، اُنکی جہالت اور اُنکی ناجائز حمایت کا باعث، تم اور محض تم۔

زمین کا کرہ آفتاب کے گرد یوں ہی چکر کاٹتے گیا، اور آفتاب یوں ہی اپنے نقطے پر لٹو بنا رہا۔ گرمی آئی، برسات آئی، جاڑا آیا اور زمین پھر وہیں آگئی! موسم بدلے، رُتیں پلٹیں، دن گزرے، اور سالہا سال کا زمانہ دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہو گیا۔ ماں باپ کی لاڈلی خدیجہ، اور ستم نصیب زبیدہ بڑھیں، جوان ہوئیں اور پروان چڑھیں، مگر محمود کی حالت نہ پلٹنی تھی اور نہ پلٹی۔ خدیجہ اگر زیادہ تر اپنے گھر رہتی تھی تو زبیدہ اپنی لائق اور خداترس اُستانی کے ہاں۔ ان دونوں کی حالت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ایک ماں باپ کی لاڈلی، تنک مزاج، زود رنج، ضدن، سست، کاہل وجود، اپنے ہاتھ سے پلی پھلی نہ پھوڑنے والی، اور سب سے زیادہ یہ کہ چٹوری اور خراچ تھی: دن بھر میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو چار چار آنے کا چھنوں اور میٹھے پوری والیوں کی نذر کر دینے، اُسکی معمولی بات تھی۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑتی اور ایسی بگڑتی کہ آؤ دیکھتی نہ تاؤ، سات پشتیں پُن ڈالتی، امروں جیٹھوں کو اُکھیڑ پھینکتی۔ اور دوسری مصیبت زدہ، جفاکش، نرم گفتار، شیریں کلام، صابر، اور نہایت باسلیقہ تھی، چھوٹے سے لگا بڑے تک، ہر ایک کے طعن و تشنیع

کا نشانہ بنتے بنتے، اُسمیں برداشت کی عادت بیحد ہوگئی تھی، کوڑی کوڑی جوڑنا، اور پھر اس سے اپنے لیئے خود ہی کچھ نہ کچھ سینا، بچپن سے اُسے کرنا پڑتا تھا۔ وہ بے قصور دھمکائی جاتی تھی، اُسے پیٹ بھر روٹی نہ ملتی، وہ۔ ماں تو ماں، خدیجہ کی سخت سست سُنتی، مگر خدا اِسکا اجر دے۔ کیا مجال جو زبیدہ دم بھی مارتی ہو، اُف بھی کرتی ہو۔

بیری کا درخت جہاں ہوگا پتھر ضرور آئینگے، اِن دونوں کے جوان ہوتے ہی، اِدھر اُدھر سے پیغام بھی آنے لگے۔ میاں محمود ایک عرصہ دراز تک یوں ہی ٹالتے رہے۔ مگر آخر یہ دونوں بیٹیاں بیاہنی تو تھیں۔ ایک ساتھ دونوں کی نسبت ہو گئی، زبیدہ کی جس سے بات ٹھیری وہ ایک قاضی صاحب کے صاحبزادے تھے، رشید اِن کا نام تھا اور انٹرنس کی سند بھی حاصل کر چکے تھے۔ مگر چونکہ قاضی صاحب کے ہاں، انکے اور انکی بہن کے سوائے۔ اولاد کا نام، اللہ کا نام تھا: اسلیئے رشید لاڈلے بھی تھے۔ اور تیز مزاج بھی، فضول خرچ بھی تھے اور زبان دراز بھی، ہاں البتہ خانصاحب کے فرزند ارجمند شیر علیخاں، جنسے خدیجہ کی منگنی ہوئی تھی، نہایت ہوشیار، عقلمند، دور اندیش، اور بفضلہ گریجوئیٹ تھے، یہ خانصاحب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ تین بھائی اور ایک بہن اور ان سے بڑے تھے۔

ایک برس تک یہ نسبت ناتا، لینا دینا، تیج تہوار، ہوتا رہا۔ کہ عین رجب کے مہینے میں ایک ہفتہ کے تفاوت سے۔ پہلے خدیجہ اور پھر زبیدہ کا نکاح اور رخصت ہو گئی۔ مہر دونوں کا پانچ پانچ ہزار تھا، نان نفقہ کا کاغذ دونوں کے ہاں لکھا گیا، مگر ہاں فرق۔ اور بہت بڑا فرق۔ اگر تھا تو یہ ہی، کہ خدیجہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی، اور زبیدہ کی شربت کے پیالہ پر۔ خدیجہ کو ماں باپ نے جوڑے، کپڑے، برتن بھانڈے بکس صندوق، چھپر کھٹ سب ہی کچھ دیا۔ مگر زبیدہ کو سوائے روزمرہ کے کپڑوں اور

کھنڈرات مارٹنڈ

ناظرین تاریخ ہند کے ابتدائی زمانے کی جنگ عظیم کو جو کہ پانڈوں اور کوروں کے درمیان ہوئی تھی بھولے نہونگے جسمیں پانڈوں نے فتح پائی۔ اور چند یوم کے بعد کشمیر کی طرف چلے گئے۔ اُنہوں نے یہاں پر بہت سے عالیشان مکانات تعمیر کیے۔ چنانچہ اُنمیں سے ایک مارٹنڈ بھی ہے جو افسوس اسوقت سوائے کھنڈرات اور پتھروں کے ڈھیر کے کچھ بھی نہیں ہے۔ تاہم یہ کھنڈرات ایک تاریخی عظمت رکھتے ہیں جنکو دیکھکر اُن بنانے والوں کی شان و شوکت کا پتہ لگتا ہے۔ ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے گرداگرد قریباً آٹھ سو گز کے محیط پر بڑے بڑے پتھروں کی نقش و نگار کی ہوئی دیوار کھڑی ہے جسکی چھت بھی بڑے بڑے جید پتھروں سے پٹی ہے جو اندر کی طرف اونچے اور بیل بوٹوں سے مزین ستونوں پر کھڑی ہے۔ یہ شکستہ مکان اب بھی ایک عالیشان عمارت ہے جس کی موجودہ اونچائی تقریباً ۵۰ فٹ ہے۔ بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اور انسان اُنکی نفاست۔ چمک۔ صفائی۔ حجم اور بیل بوٹوں اور تصویروں کو دیکھکر عش عش کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ وہ کون دیوزاد تھے جنہوں نے ایسے بڑے بڑے پتھروں کو اوپر چڑھایا۔ اور وہ کون مانی و بہزاد تھے جنہوں نے ایسی کاریگری سے تصویر اور بیل بوٹے تراشے ہیں۔ بعضوں پر چاند سورج کی تصویریں ہیں بعضوں پر اوتاروں اور گائے بیل کی مورتیں کندہ ہیں۔ آگے چلکر تین کمرے ہیں جنکی دیواروں پر عجیب کاریگری سے نقش و نگار بنے ہیں۔ کہیں گلاب کے شگفتہ و نا شگفتہ پھول ہیں۔ کہ انسان کا دل بے اختیار توڑ کر سونگھنے کو چاہتا ہے کہیں نرگس ہے جسے دیکھکر انسان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رہجاتا ہے۔ اور کہیں یاسمن جسکو دیکھکر جی بے اختیار ہوجاتا ہے۔ غرض اس مٹی گارے کو دیکھکر

سیرِ گلشن کا سین آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ پاس ہی جانبِ شرق ایک پہاڑی ہے جس میں ایک ایسا غار ہے جس کی انتہا آجتک کسی کو معلوم نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے جرأت کی تو دس بارہ قدم چلا گیا۔ سنا ہی کہ ایک دفعہ ایک سنیاسی اسمیں چلا گیا تھا جو پھر واپس نہیں نکلا۔ اسلیئے نہ معلوم کیا حشر ہوا۔

سنہ ۱۸۹۶ء میں ایک یوروپین سیاح ایم۔ روبرٹ پانچ آدمی اور ایک ہفتہ کی خوراک اور بہت سا تیل اور مشعلیں ساتھ لیکر اسکی تحقیقات کو اندر گیا۔ تین یوم کے بعد واپس نکلا اور بیان کیا کہ قریباً بیس میل آگے چلکر ایک بہت بڑا دریا حائل ہے جسکے پار جانا محال ہے۔

ایک طالب علم۔ از کشمیر

اصلاح رسوم:۔ بابو خورشید مرزا صاحب دہلوی نے اس ناول میں اُن نقائص کو دکھایا ہے جو اولاد کی بلا رضامندی شادی کر دینے سے پیدا ہوتے ہیں ضمناً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بازاری کتابوں یعنی ناول وغیرہ کا مطالعہ لڑکیوں کے واسطے نہایت مضر ہے۔ مصنف نے اپنے مطالب بلحاظ شستگی زبان و پلاٹ نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیے ہیں۔ لیکن ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اگر مرزا صاحب ایسے عمدہ اور نتیجہ خیز مضامین کو بجائے عشقیہ قصہ کے کسی اور طریقہ سے بیان کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ ہمکو یہ بھی افسوس ہی کہ مصنف نے لکھائی چھپائی کی طرف توجہ نہ کی۔ بہرحال ہم خورشید مرزا صاحب کو انکی ابتدائی مشق پر مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ اپنی آیندہ تصنیف کے وقت ہماری صلاح پر بھی غور فرمائیں گے۔ ضخامت ۸۴ صفحہ۔ قیمت ۶ر مصنف سے کھاری باؤلی دہلی کے پتہ پر ملتی ہے۔

بلادِ اسلامیہ

سرزمیں دلی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرے ذرے میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اس اجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں
خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سرزمیں

سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار
نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دل کو تڑپاتی ہے ابتک گرمیِ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہِ مسلم گو جہان آباد بھی
اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی

یہ چمن وہ ہے کہ تھا جسکے لیے سامانِ ناز
لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیبِ حجاز

خاک اُس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم
جسنے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جسکے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما اُن کا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور
ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور

بجھ کے بزمِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی
اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی

دورِ گردوں میں مٹے سیکڑوں تہذیب کے
پل کے نکلے مادرِ ایام کی آغوش سے

قبر اُس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

خطۂ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار
مہدیِ[1] امت کی سطوت کا نشانِ پائدار

صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے

نکہتِ گل کیطرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوب[2] انصاری سے آتی ہے صدا

[1] محمد دوم فاتح قسطنطنیہ۔ جناب سرورِ کائنات کی ایک پیشین گوئی کے مطابق اس عظیم الشان شہنشاہ کو مہدی کہنا چاہیے ۱۲
[2] قسطنطنیہ میں مدفون ہیں ۱۲

کشورِ اسلام کا اے مسلمو! دل ہے یہ شہر
سیکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خوابگاہِ مصطفےٰ
دید ہے کعبے کو تیری حجِ اکبر سے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
خشک لب انساں کو جسنے آبِ جاں پرور دیا
عقل کو آزادِ زنجیرِ توہم کر دیا
جسنے عہدِ وصل باندھا مدتِ دوراں کے ساتھ
جسنے پوری منصفی کی فطرتِ انساں کے ساتھ
جسکے ڈر سے وہم کا قصرِ کہن آئیں گرا
گردنِ انساں سے طوقِ رہبِ خود بیں گرا
نام لیوا جسکے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے وارث مسندِ جم کے ہوئے
ہے اگر قومیتِ اسلام پابندِ مقام
ہند ہی بنیاد ہے اسکی نہ فارس ہے نہ شام
آہ! یثرب دیس ہے مسلم کا تو ماوےٰ ہے تو
نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

گو مٹانا بستیوں کا ہے شعارِ روزگار
عظمتِ ملت کی باقی یادگاریں ہیں ہزار
یہ ہویدا ہے کہیں مٹتے ہوئے آثار میں
یا نمایاں ہے کسی گرتی ہوئی دیوار میں
اُجڑے گورستاں کی خاموشی سے ہم آغوش ہے
شانِ پیشیں اشکِ خونِ قوم سے گلپوش ہے
نالہ کرتی ہے کہیں خاموش سوتی ہے کہیں
اہلِ ملت کی فراموشی کو روتی ہے کہیں

جلوہ گاہیں اسکی ہیں اپنی زیارت کیلئے
اشکباری کے لئے غم کی حکایت کیلئے

اقبال

ارمغانِ ناظرؔ

ہمارے دیرینہ عنایت فرما چودھری خوشی محمد خاں صاحب ناظرؔ بی اے مہتمم بندوبست و وزیر لداخ نے مندرجہ ذیل نظم بھیجکر ہمیں ممنون فرمایا۔ ان کے کلام کے شائقین کی آنکھیں مدت سے منتظر تھیں کہ انکی نظم پھر مخزن میں نظر آئے۔ اپنے فرائض منصبی کی مصروفیت کیوجہ سے انہوں نے ایک عرصہ سے کوئی چیز نہیں لکھی تھی۔ حال میں وہ لداخ سے سرینگر آئے اور اپنے آقائے نامدار ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر والی جموں و کشمیر کے دربار میں حاضر ہوئے تو مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نذر منظوم پیش کیجئے۔ چودھری صاحب نے بھی رستہ میں اسکی فکر کی تھی چنانچہ نظم کے پڑھے جانیکے لیئے ایک دربار خاص منعقد ہوا اور ہمیں اسکی بہت داد ملی۔ ایک یازدہ پارچہ کا خلعت فاخرہ بھی عطا ہوا۔ گو یہ صلہ وزارت سرحد کی خدمات کا سمجھنا چاہیئے۔ تاہم قصیدہ کے پیش ہونے پر اسکا عطا ہونا ایک گونہ انکی سخنوری کا بھی اعتراف ہے۔ نام کو تو یہ نظم قصیدہ ہے مگر حقیقت میں قدرتی جذبات کا فوٹو ہے اور مبالغہ و اغراق سے مبرا ہے جو مناظر رستہ میں نظر سے گزرے اور جن جذبات کا دل پر اثر ہوا انکو نظم میں ادا کرنے کی کوشش کیگئی ہے +

اے ساربان اٹھائے۔ کب تو مُہار دیکھیں — ہم ہجر کے ستائے پھر کوئے یار دیکھیں
یہ دشت و سنگ دیکھا۔ اور کربہ تھنگ[1] دیکھا — پھر لالہ زار دیکھیں۔ اور شالامار دیکھیں
پتھر کے دیکھنے سے۔ پتھرا گئی ہیں آنکھیں — اب آبشار دیکھیں۔ اور سبزہ زار دیکھیں
وہ ساعدِ حنائی۔ وہ شانِ دلربائی — برگِ چنار دیکھیں۔ یا دستِ یار دیکھیں
طاسِ زمردیں میں۔ الماس ہوں پریشاں — پتوں پہ ڈل[2] کے موتی۔ جب آبدار دیکھیں

[1] تحصیل کرگل میں موضع کرگل کے متصل ایک وسیع لق و دق میدان کا نام کربہ تھنگ ہے ۱۲

[2] ڈل کشمیر جنت نظیر کی عدیم المثال جھیل کا نام ہے ۱۲

وہ راگ کی گھٹا سی - صحن چمن میں برسے ۔۔۔ سرو و چنار ملکر - گاتے ملار دیکھیں

باغِ نشاط میں ہو - بزمِ نشاط برپا ۔۔۔ ہر سمت چاریاری - زیرِ چنار دیکھیں

وہ حُسن کے نظارے وہ عشق کے شرارے ۔۔۔ وہ برقرار دیکھیں - یہ بیقرار دیکھیں

انہار ہوں لبن کی - اقطار یاسمن کی ۔۔۔ بو باس ہو چمن کی - گر گشت زار دیکھیں

چاندی اُچھالتی ہوں - نہریں اُچھل اُچھلکر ۔۔۔ شاخ و شجر سے اُنپر - زر کا نثار دیکھیں

ہو جوگیا ہوا میں - اور بھیرویں فضا میں ۔۔۔ وقتِ سحر نوا میں - دراج و سار دیکھیں

وہ وادیوں کا منظر - ہو غیرتِ تھیٹر ۔۔۔ نہروں کا ناچ مجرا - سرو و چنار دیکھیں

دریا کنار اُتریں - جنگل کی سبز پریاں ۔۔۔ ہر کالے دیو بنکر - سب نوار دیکھیں

القصہ خشک و تر میں - ہر سنگ میں حجر میں ۔۔۔ ہر برگ میں شجر میں - حسنِ نگار دیکھیں

ہر گل کے پیرہن میں - نسریں میں نسترن میں ۔۔۔ ریحاں میں یاسمن میں - تصویر یار دیکھیں

وہ زوجیلے[۱] کی چوٹی - ہے اپنا طور ناظر ۔۔۔ سرکار کی تجلی - واں آشکار دیکھیں

ہو برقِ[۲] لمعہ افگن - روشن ہوں کوہ و برزن ۔۔۔ جب شعلہ بار بام - واں نور و نار دیکھیں

دریا میں ہوں شکارے[۳] - جیسے فلک پہ تارے ۔۔۔ اک آفتابِ منزل - دریا کنار دیکھیں

موجوں کا تھم کے چلنا - سر سنگِ در پہ ملنا ۔۔۔ پابوسِ آستان - شاہِ دیار دیکھیں

ماوائے داد خواہاں - ملجائے بے پناہاں ۔۔۔ اک قصر و بارگاہ - گردوں وقار دیکھیں

ہو تختِ خسروی پر - وہ شاہ جلوہ گستر ۔۔۔ چرنوں سے اُسکے روشن - شہر و دیار دیکھیں

عاقل وزیر اُسکے - فاضل مشیر اُس کے ۔۔۔ دانا دبیر اُسکے - مصروفِ کار دیکھیں

دستِ یمیں پہ اُسکے - مسند پہ جلوہ فرما ۔۔۔ سر راجہ معظم - دولت مدار دیکھیں

درشن کو تیرے شاہا آنکھیں ترس رہی تھیں ۔۔۔ پرتاب تیرے رخ کا - اب لاکھ بار دیکھیں

---

[۱] ایک سلسلہ کوہ جو وادی کشمیر کو ضلع لداخ سے جدا کرتا ہے ۱۲ [۲] محلات شاہی اعدان کے قرب جوار کی برقی روشنی کیطرف اشارہ ہے ۱۲ [۳] چھوٹی کشتیاں ۱۲

ہو جنکو شوقِ جنت - یا آرزوئے رضواں اگر یہ شہر دیکھیں - یہ شہریار دیکھیں
بیٹھے ہیں انجمن میں - پرماتما ہی من میں دتے بکار دیکھیں - اور دل بیار دیکھیں
پائیں گے کب جہاں میں - ایسا دلوں کا والی گر لیکے آج مشعل - شہر و دیار دیکھیں
ہے باغِ علم خنداں - کشتِ ہنر ہے سرسبز ابرِ کرم کی تیرے - ہر سو بہار دیکھیں
علم و ہنر کی شاہا - ہر سو بہا سبیلیں تا آنے والی نسلیں - یہ یادگار دیکھیں
دریا کے بھی شکم سے - سُدّہ[1] نکل رہا ہے ابھرے گا کوئی دن میں - اسکا بخار دیکھیں
امواجِ[2] سہمگیں کو - وہ ناچ ہے نچایا فرمان شہ سے ہونگی - اب سیار دیکھیں
تو بزمِ قیصری کا - ہے کوکبِ درخشاں کیونکر نہ تیرا پرتو - سب تاجدار دیکھیں
شاہنشہِ معظم - ہوں میہمان تیرے فرزند شاہ تیرا - دار القرار دیکھیں
یہ شعر روح پرور - ہیں کان دل کے گوہر ہے طرفہ نذرِ ناظر - سب اہلکار دیکھیں
چرنوں سے تیرے شاہا - دوری ہی گو ضروری ناظر کو دل سے حاضر - لیل و نہار دیکھیں
واپس چلے ہیں بن کو - صحرا نورد ناظر پھر بزمِ خسروی کو - یا کردگار دیکھیں
قائم رہے الٰہی - یہ تاج و تختِ شاہی یہ فرِ بارگاہی - لیل و نہار دیکھیں

خوشی محمد ناظر - سٹلمنٹ افیسر وزیر

(لداخ)

تربتِ جاناں

(شیخ محمد نصیب صاحب بیرسٹرایٹ لا کی خاص فرمائش سے)

ہوائیں ہو گئیں خاموش - وقت شام آپہنچا اندھیرا چھا گیا ہر سمت عالم ہے خموشی کا
نہیں پائے صبا تک کی ذرا آہٹ گلستاں میں اسی عالم میں آنکلا ہوں میں شہرِ خموشاں میں

[1] بذریعہ ڈرجنگ مشین کے دریائے جہلم کو بارہ مولہ کے نیچے عمیق کیا جا رہا ہے تاکہ دریا کا بہاؤ صاف ہو جائے اور سیلاب کے سالانہ حملوں کا اندیشہ نہ رہے۔ [2] کارخانہ طاقت برقی کیطرف اشارہ ہے جو رام پور میں کھولا گیا ہے۔

دلِ مہجور میں ایک لالہ زارِ داغ لایا ہوں
میں اپنے گُل کی تربت پر چڑھانے پھول آیا ہوں

اب آرامیدہ ہے اس تنگ کاشانے میں وہ جسکی
شعاعِ زندگی گُل جیسے ذرّوں سے چمکتی تھی
غضب ہے ایسے حسن و ناز کا صیدِ قضا ہونا!
بایں اوصافِ محبوبی تہِ تیغِ فنا ہونا!

قضا اُس گلبدن پر رحم کھا کر کاش ٹلجاتی!
خدا کے حکم سے تحریرِ قسمت کی بدل جاتی!
تو گورستاں میں یوں دُکھڑے نہ روتا میں حزیں ہوکر
نہ کہتا مرثیہ یوں آج میں اندوہگیں ہوکر

مگر رونے سے کیا حاصل؟ وہ روحِ نور تو یاں سے
گئی اُڑکر کہیں اونچی مہ و مہرِ درخشاں سے
ملائک لیگئے با چشمِ گریاں اُسکو جنت میں
جہاں نیکوں کی روحیں تا ابد رہتی ہیں راحت میں

یہ جرأت کس طرح سے ہو سکے انسانِ فانی کو
کرے الزام خالق کے نظامِ جاودانی کو
سرِ تسلیم رکھوں گا سدا خاکِ اطاعت پر
سدا راضی رہوں گا اپنے مالک کی مشیت پر

مگر دل کو اگر دُھن ہے اُس گل کے محاسن کی
رہیگی یاد اُسکے حسنِ ظاہر حسنِ باطن کی
اُسی کی یاد میں اشکِ محبت میں بہاتا ہوں
تصور کو اُسکے تختِ دلبر میں بٹھاتا ہوں

(ماخوذ) نیرنگ

آسمان

اے رفیع الدہر عالی مرتبت رفعت نشاں
عرش پر کیونکر نہ ہو تیرا دماغ اے آسماں
کچھ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں بالا ہے تو
عالمِ اسباب میں ہر ایک سے اعلیٰ ہے تو

معتبر لوگوں سے سُنتے آئے ہیں دیکھا نہیں — تیرے ہی طبقات میں ہیں جنّتِ خلدِ بریں

تجھ سے بڑھکر اور کس کی ہوگی شانِ محترم — خالقِ کونین نے خود کھائی ہے تیری قسم

کیوں نہ برتر ہو کہ تو پیدا ہوا اُس کے لیے

شان میں لولاک فرمایا گیا جس کے لیے

عنصرِ پنجم[1] ہے موجودات کا تیرا وجود — ذات ارفع سے ہے تیری بزمِ ہستی کی نمود

بسکہ قدرت کو ضروری خلقتِ افلاک تھی — گر نہ ہوتی۔ تو زمیں اپنے لیے پھر خاک تھی

نور افشاں تیرا خورشیدِ جہاں افروز ہے — اے فلک! یہ مہربانی تیری ہمپر روز ہے

نونہالانِ گلستاں گلبنِ رنگیں ادا — سایۂ شفقت میں تیری پاتے ہیں نشو و نما

ہاں! تجھی پر ناز کرتا اُٹھتا ہے ابرِ بہار — تیرے ہی پہلو میں مر لیتی ہے برقِ بیقرار

تیری فیاضی کا شہرہ شبنمِ تر نے کیا — موتیوں سے دامنِ گلزار و صحرا بھر دیا

تیرے ہی دم سے بہارِ گلشنِ ایجاد ہے

تیری ہستی پر سراے دہر کی بنیاد ہے

تجھ سے ملنے کی ہر اک دل میں ہے پنہاں آرزو — اے فلک! اہلِ زمیں کی آنکھ کا تارا ہے تو

کوہ اُٹھے ہیں مگر تجھسے رسائی کے لیے — بحر کو بھی جزر و مد ہے آشنائی کے لیے

شعلہ تیری آرزو میں اُڑ گیا بنکر دھواں — اِس ہوا میں خاک ہی بن جائے خاکِ آستاں

تیرے چھونے کو بڑھائے بیشتر شاخوں نے ہاتھ — مل لیے افسوس و حسرت سے مگر شاخوں نے ہاتھ

بامِ رفعت تک پہنچتے ہی نہیں اُڑکر طیور — جسقدر اُٹھتے ہیں وہ۔ تو اور ہو جاتا ہے دور

تیرا طرزِ انکساری کیوں نہ ہو عالم پسند

جھک کے ملتا ہے زمیں سے ہو کے اتنا سر بلند

---

[1] ہندو فلسفہ میں بجاے اربعہ عناصر کے پانچ تتو مانے گئے ہیں۔ مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ اکاس یعنی خلا اور حواسِ خمسہ کی تطبیق انہیں پانچوں پر کیگئی ہے۔

نت نئی دلچسپ منظر سامنے لاتا ہے تو | طرفہ نیرنگِ طلسمِ دہر دکھلاتا ہے تو
صبحِ خنداں دیکھکر ہوتا ہے تجکو بھی سرور | تیری کالی کالی صورت پہ چمک اُٹھتا ہے نور
سانولی ہے پیاری پیاری شام تیری اے فلک | شور افزا ہے غضب ! اُس حسنِ ملیحی کا نمک
شوخیٔ رنگِ شفق کی دلفریبی کیا کہوں | اِس دلِ پرخوں کی اُس پر ناشکیبی کیا کہوں
تو نظر آتا ہے شب کو خیمۂ لیلائے شب | اور تو ہر شب ہوا کرتا ہے بزم آرائے شب
سامنے ہے چاند سی اک دلربا صورت اگر | اُس طرف پہلو میں اک زہرہ جبیں ہے جلوہ گر
آہ کیا عقدِ ثریا کا ہے طرزِ دلستاں | محوِ نظارہ ادھر کرتا ہے حسنِ کہکشاں
بحر و بر رکھتی ہے روشن تیری شمعِ ماہتاب | جسکا جلوہ ہے نظر افروزِ چشمِ شیخ و شاب

وہ سماں حسرت فزا ہوتا ہے تیرا صبحدم
اہلِ محفل جبکہ رخصت ہونے لگتے ہیں بہم

آفت دوراں سنی جاتی ہے ناسازی تری | حشر کرتی ہے بپا فتنہ پردازی تری
یہ بھی شہرت ہے کہ تو اک بانیٔ بیداد ہے | مہ جبینانِ ستم ایجاد کا اُستاد ہے
دہر میں غمدیدہ اکثر تیرے شاکی پائے ہیں | تیری بیدردی کے افسانے زباں پر آئے ہیں
تیری گردش نے مٹائے سیکڑوں نام و نشاں | کردیا برباد تو نے گلشنِ ہندوستاں
علم و فن میں اُنکو اگلی سی فضیلت ہی نہیں | بلکہ انسانوں میں باقی آدمیت بھی نہیں
تیری ناسازی سے دل ہر ایک کا باہم جدا | تو موافق ہو زمینِ ہند سے بہرِ خدا

اوج و پستی تجھ سے ہیں تجھسے ہی نرم و سخت ہیں
تیرے سیارے فلک ! اپنے نجومِ بخت ہیں

شرر - سہارنپوری

تصویری پوسٹکارڈ کے جواب میں

مہربانانِ دوستانِ قدیم | لیجے صحرا نشیں کی بھی تسلیم
قلۂ کوہ پر براجیں آپ | دونوں ایسے کہ جیسے بھرت ملاپ
دوستانِ قدیم کا مجمع ق | ہمجلیس و ندیم کا مجمع
ایک نعمت ہے ایک راحت ہے! | مجھ سے پوچھو تو یہی جنت ہے
ہمکو لیکن کہاں بھلا یہ نصیب | آدمی دور جانور ہیں قریب
اب تو بن باسی ہو گئے ہیں ہم | ہم ہیں اور مار و خرس اور ضیغم
یادِ احباب اور صحرا ہے | زندگی کا عجیب نقشا ہے
کبھی آہو ہے اور کبھی آہیں | کبھی روئیں کبھی شکار کریں
زندگی ایک آہ سے محدود | گر کرے کچھ تو موت ہے محدود
یہ تو جھگڑے چلے ہی جاتے ہیں | تازہ قصہ تمھیں سناتے ہیں
کارڈ جو تم نے ہم کو بھیجا تھا (یعنی پوسٹکارڈ) | جسمیں عاشق مراد پاتا تھا
تھا مئے وصل پیے سرشار | اُسکے پہلو سے شوق اور رخِ یار!
یہ جو تصویر شوق افزا تھی | ٹھنڈے دل میں بھی آگ بھڑکاتی
اور فقرے تمہارے آتش بار | جو کہ کافور کو بنائیں شرار
دل کہ وہ ہو گیا تھا مخزنِ یاس | ہوئی آخر اسے ہوس کی پیاس
میں بھی آخر بگفتۂ اقبال[۱] ق | عقل کو چھوڑ کر کے دل کا خیال
لکھنؤ کی طرف روانہ ہوا | ہرج اک لمحے کا روا نہ ہوا

[۱] اقبال سے "اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل ۰ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے"

پہنچا اُس جا کہ جو ہی معدنِ عیش — زن ہے لیلٰے تو مرد مجنوں کیش
تم نے دی جو صلاح - کی تکمیل — امر ہائے شمار اشد تعمیل
بس وہاں زندگی گزاری ہے — اب تو پھر موت ہی کی باری ہے
وہی خیمہ ہے اور وہی میں ہوں — وہی ٹھوں ٹھاں ہے اور وہی جوں توں

صحرائی

کوئل

خوش خبر طائرِ نوواردِ زیبا کوئل! — تُو نے بچپن سے مجھے "کوکو" سنایا کوئل!
تجکو طائر کہے اے میری دل آرا کوئل؟ — یا کہ "آوازِ پریشاں" ترا شیدا کوئل؟

گھاس کے فرش پہ جب بیٹھتا تھا میں جا کر — دل پہ کرتا تھا ترنم ترا جادو کا اثر
کیا ترنم تھا کہ با سرعتِ برقِ مضطر — کوہ و میداں میں ہوا جاتا تھا جلوہ گستر

میں نے مانا کہ تجھے وادیٔ گل ہی بھاتی — عشق کی بو ترے نغموں سے ہے پیہم آتی
کوک تیری ہے مری یاد میں لیکن لاتی — میری طفلی جو نہیں خواب میں بھی اب آتی

خیر مقدم ترا اے قاصدِ ایامِ بہار! — گوش شنوا کو سناتا ہے پیغامِ بہار
تو پرندہ نہیں اے طائرِ ہنگامِ بہار! — بلکہ پوشیدہ کوئی ہستی سرِ بامِ بہار
(جو مغنی بھی ہے مطرب بھی گویا بھی ہے — جو ہی معشوق بھی اور عاشق شیدا بھی ہے؟)

تو مغنی ہے وہی ہائے تو مطرب ہے وہی — عہدِ مکتب میں صدا بھاتی تھی مجکو جسکی

تو گویا ہے وہی جسکی طلب جب ہوتی — کوششیں ہوتی تھیں ناکام ہزاروں میری

میں نے ڈھونڈا تجھے ہر چند نپایا کوئل! — سبزہ زاروں کو کیا گو تہ و بالا کوئل!
تو وہ امید ہے ای میری دل آرا کوئل! — جسکا دیکھا نہ کسی شخص نے چہرا کوئل!
تو وہ معشوق ہے معشوق ہی حتا کوئل! — جستجو کر نہ سکی جسکا نظارا کوئل!

گرچہ طفلی نے کیا ہے مجھے کنارا کوئل! — تیرا نغمہ ہے مرا اب بھی سہارا کوئل!
ہائے زریں زمانہ وہ پیارا کوئل! — پھر بھی پا سکتا ہوں تبلا تو خدا را کوئل!

ہو مبارک تجھے اس ہستی کا نقشا کوئل! — حسب منشا ہی مگر تیرے یہ طبقہ کوئل!
ہم تو کہتے ہیں خیالی ہی یہ دنیا کوئل! — تو "خیالی" کی پرستار ہی شیدا کوئل!
ہاں خیالی کو خیالی پہ مچل جانے دو — خوب گزرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو

(ورڈز ورتھ)

شیخ غلام محمد طور بی اے کلاس

کوزہ قند

حضرت بیان یزدانی مرحوم کے برادر خورد جناب سید حسین صاحب جو صوبجات متحدہ کی سروس میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہیں نہایت مہربانی سے حضرت بیان کا یہ قطعہ مندرجہ ذیل تمہید کے ساتھ ارسال فرماتے ہیں:-

غالب مرحوم ایک روز ایک جلسہ میں بمقام کلکتہ شریک تھے اُنکے ایک دوست مولوی کرم حسین نے ایک چکنی ڈلی اپنے کف دست پر رکھکر غالب مرحوم سے کہا اسکی کچھ تشبیہات نظم کیجئے۔ نما آپنے وہیں بیٹھے بیٹھے وہ مشہور قطعہ نظم کیا جسکا پہلا

شعر یہ ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی ۔ زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

اسی طرح ایک مرتبہ میرے ماموں سید مہدی علی صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے جب کہ وہ کالپی ضلع جالون میں تحصیلدار تھے چند کوزہ ہائے قند کالپی برادر مرحوم سید محمد مرتضیٰ صاحب بیانؔ یزدانی کو بھیجے۔ یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب ہے کہ قند کالپی اپنی عمدگی کے لیے مشہور ہے اور کوزے کی شکل نصف دائرہ کی ہوتی ہے۔ برادر مرحوم نے اسی ردیف اور قافیہ اور بحر میں جسمیں غالب مرحوم نے قطعہ لکھا تھا۔ ایک قطعہ اسکی تشابیہہ میں لکھا جو ہدیۂ ناظرین ہے ۔

میرے محسن نے جو بھیجا ہے مجھے کوزۂ قند　　بستہ اس کوزے میں احسان کا دریا کہیے
سر فرو بردہ تفکر کہ اسے کیا لکھیے　　لب فرو بستہ تکلم کہ اسے کیا کہیے
سیر خمیازۂ صد گونہ تمنا کیجے　　کسی محبوب کا شیریں دہن لکھیے
معنی جوہر شفاف تماشا کیجے　　صورت یوسف مصری کا ہیولا کہیے
بصفا آئینۂ دست سکندر لکھیے　　بضیا آئینہ دار کف موسیٰ کہیے
قالب صنعت رخسارۂ سلماں لکھیے　　نار بیدانۂ پستان زلیخا کہیے
نو گل کوزۂ گلزار ارم کیجے رقم　　ساغر فضۂ فردوس مطرا کہیے
خیمۂ گوہر حوران بہشتی لکھیے　　کنگرۂ بارگہ قیصر و کسریٰ کہیے
سینہ بند صنم پردہ نشیں کیجے فرض　　کلۂ تازہ جوانان خود آرا کہیے
گوے دستنبوے اصحاب طرب کیجے یقیں　　جام سیماب اسے ارباب عمل کا کہیے
بیگموں پلۂ میزان طبرزد لکھیے　　نقرئی حقہ پر لولوے لالا کہیے
سپر تلخیئ ایام مصیبت لکھیے　　خود تسمۂ شیر سم آلودۂ ایذا کہیے
ہمسر بیضۂ طاؤس نگاریں لکھیے　　خوض آذوقۂ مرغان شکر خا کہیے
منجلی پیکر ماہ شب ہفتم لکھیے　　طرف قندیل در کعبۂ الا کہیے
سم سیمیں فرس چابک شیریں لکھیے　　سر پرویز خیال شکر آما کہیے

سنگِ قالینِ سلاطینِ مظفر لکھیے
ساتگینِ طربِ سنجر و دارا کہیے

کیوں اسے کیسۂ دلاک سے دیجے تشبیہ
کیوں اسے بوتہ سیتاک سی مانا کہیے

کیوں اسے ساغرِ بلور سے بہتر لکھیے
کیوں اسے کاسۂ فغفور سے بالا کہیے

کیوں اسے تازہ حبابِ لبِ کوثر لکھیے
کیوں اسے آمۂ شیرینیِ معنی کہیے

طبقِ سیم کو عرشِ صمدی کیجے فرض
اور اسے قمقمۂ عرشِ معلےٰ کہیے

سید حسین

فعلِ حکیم

دوستوں میں ایکدن اک فیلسوفِ دہر نے
باتیں کرتے کرتے اپنی یہ تمنا کی بیاں

کاش مجکو دے خدا اپنی خدائی اک ذرا
کاش کر دے میرے ذمہ عہدۂ خلقِ جہاں

سن کے یہ پوچھا کسی نے اس سے ہاں یہ تو کہو
ایسا ہو جائے تو پھر تم کیا کرو اے مہرباں

سر جھکا کر دیر تک سوچا کیا مردِ حکیم
پھر مخاطب ہو کے سائل سے کیا اسنے بیاں

میں نے کی ذرات موجودات کی اسوقت سیر
پھر گئے چشمِ تصور میں سب اسبابِ جہاں

میں نے دیکھا کوئی فعل اس خالقِ افلاک کا
خالی از حکمت نہیں ہر شئے میں حکمت ہے نہاں

میں خدائی لیکے کر سکتا نہیں اسکے خلاف
اسکے ہر اک فعل سے حکمت کی خوبی ہے عیاں

میں بھی ویسا ہی کرونگا جس طرح اسنے کیا
وہ اگر دیدے مرے قبضہ میں قدرت کی عناں

اس کی موقع پر عطا ہے اس کا موقع پر کرم
اسکی رحمت ہے بلا زحمت بلا شک بیگماں

ہے غضب اسکا ادب آموز انساں کیلیے
ہے امیدِ عفو اسکے موجبِ امن و اماں

کوئی فعل اس کا نہیں حکمت سے خالی اے ذہیں
اسکی حکمت ہی سے ہے نظمِ زمین و آسماں

سید غلام مصطفےٰ ذہین

تازہ غزلیں

وارفتہ تیری چال قیامت سے کم نہیں
چلتی ہوئی ہے حشر کی آفت سے کم نہیں

ہیبت وہی ہے ہول وہی سختیاں وہی
شام فراق صبح قیامت سے کم نہیں

ہنس ہنس کے چٹکیاں دل بیتاب میں نہ لے
ظالم یہ اختلاط عداوت سے کم نہیں

اسمیں بھری ہوئی ہیں سراپا کدورتیں
دل بھی ہمارا شیشۂ ساعت سے کم نہیں

ہیں چاک چاک دامن جیب قبائے گل
دست صبا بھی پنجۂ وحشت سے کم نہیں

ہوتا ہے کیوں لہو قطرہ ترکا اپنی خشک
خون جگر خدا کی عنایت سے کم نہیں

پھونکا ہے اسقدر نفس شعلہ بار نے
دوزخ بھی تو مرے لیے جنت سے کم نہیں

تصویر گو ہے پیش نظر اسکے ہجر میں
دل کی تپش مگر کسی صورت سے کم نہیں

اے شوق ایسی رنجش بیجا کا کیا علاج
شکر جفا بھی اُن کو شکایت سے کم نہیں

(شوق)

کیا کہتے ہیں بسمل کہ سب کچھ اُسے حاصل ہے
ایک چاند ہے پہلو میں ایک چاند مقابل ہے

پاکیزہ تمنائیں شائستہ مدارا میں
اُس بت کی متانت ہی سب کچھ مجھے حاصل ہے

بھرپور جوانی ہے اک دھوم ہے اُس بت کی
دو چار نہیں شیدا عالم ہی کہ گھائل ہے

کیوں کوستے ہو ناحق منہ لگتے ہو کیوں اُسکے
بسمل جسے کہتے ہیں دیوانہ سا سائل ہے

بیکار ندامت ہے بے وجہ ملامت ہے
اب دل سے نکالو بھی کیا تم سے حاصل ہے

اےکاش وہ کچھ سمجھیں اےکاش وہ کچھ پوچھیں
بیطور دل بسمل اُن آنکھوں پہ مائل ہے

محفل کی ملاقاتیں اب ڈھونڈتی ہیں خلوت
الفت ہی اُمنگوں پر اب چھپنے کے قابل ہے

ہنس بول کے یوں خالی دن گذرے تو کیا گذرے
کچھ وصل کے ساماں ہوں چاہت کا جو حاصل ہے

مرتا ہوں ذہانت پر اُس جان لیاقت کے
مطلع ہی سن کر جو کہتا ہے کہ بسمل ہے

(بسمل)

سوئے گلشن جاتے ہیں دلبر ہمارے ساتھ ہے — آج اک ہنگامۂ محشر ہمارے ساتھ ہے

بندہ پرور اب تو عذر قتل سے رکھیے معاف — لیجیے یہ تیغ یہ خنجر ہمارے ساتھ ہے

ہوشیار اے شہر خاموشاں کے لوگو ہوشیار — دفن ہوتے ہیں دلِ مضطر ہمارے ساتھ ہے

ہو رہی ہے آئینہ بندی میانِ بزمِ دوست — کوئی تیرے شیشہ سے بھی بہتر ہمارے ساتھ ہے

جستجوئے چارہ گر میں عمر کیوں برباد ہو — دردِ دل میں اور دلِ مضطر ہمارے ساتھ ہے

مصلحت اندیشیٔ ناصح پہ قرباں جائیے — کیا کہیں کیوں شیشہ و ساغر ہمارے ساتھ ہے

روکنا دل کا محبت میں ہیں کچھ جذباتِ خاص — یہ نہ پوچھو آجتک کیونکر ہمارے ساتھ ہے

خیر تیرا حکم بھی جائے جہنم کی طرف — دیکھا جائے گا کہ چشمِ تر ہمارے ساتھ ہے

سانس لینا ہو گیا دشوار اللہ رے کھٹک — یہ رگِ دل ہے کہ اک نشتر ہمارے ساتھ ہے

عشق کی دیوانگی سے رنجِ تنہائی مٹا — جس طرف جاتے ہیں دنیا بھر ہمارے ساتھ ہے

جانے دیتا ہی نہیں دربان بزمِ دوست میں — کوئی تو عذر کرے کہ محشر ہمارے ساتھ ہے

(محشر)

شکوۂ ترکِ ملاقات نہ نکلے منہ سے — دم نکل جائے مگر بات نہ نکلے منہ سے

سو سنا کر وہ مجھے ایک پتے کی سن لیں — بات تو جب ہے کہ پھر بات نہ نکلے منہ سے

ایسی کچھ مجھکو پلا دے کہ خبر ہی نہ رہے — ہوں یہاں تک اے پیرِ خرابات نہ نکلے منہ سے

ضبطِ غم کا یہ تقاضا ہے کہ دم گھٹتے ہوں — کوئی سی بات بھی دن رات نہ نکلے منہ سے

عرض وصل پہ حسرت ہے کہ وہ جاں مانگیں — کوئی تحفہ کوئی سوغات نہ نکلے منہ سے

سینے اثر بھی مگر ہو جاتا تھا دل تو ہلکا — آہ اب اتنی بھی ہیہات نہ نکلے منہ سے

دن کہیں وہ تو سب دن رات ہے گر رات کہیں — کوئی جی ہاں کے سوا بات نہ نکلے منہ سے

بزمِ دشمن میں بجا طیب تھے ہوئے ہیں وہ مگر — سخن پرسشِ حالات نہ نکلے منہ سے

ہمنشیں پوچھ نہ کچھ قصۂ بزمِ دشمن — کیا کہوں ناگہ کہ جو بات نہ نکلے منہ سے

خم چڑھا لینے تو آساں ہیں فصیح میکش یہ بات وہ ہے کہ خرافات نہ نکلے منہ سے (فصیح دہلوی)

جفا کی قدر گھٹتی ہے وفا ہی سے اُترتی ہے ٭ ہمارے ساتھ دنیا سے محبت کوچ کرتی ہے

عدو کے ہو لیے جب تم ہمارا حال کیوں پوچھو ٭ اب اسکا ذکر کیا جو کچھ گزرتی ہے گزرتی ہے

سلیقہ شرط ہے رسمِ محبت کے برتنے کا ٭ اسی سے نام ہوتا ہے یہی بدنام کرتی ہے

چھڑایا عام مینوشوں کا ساتھ اپنی نفاست نے ٭ یہاں کب ایسی ویسی حلق کے نیچے اُترتی ہے

دکھاتا ہے طلسمِ طرفہ اُن زلفوں کا بھی عالم ٭ بگڑنے پر جو بنتی ہے بکھرنے پر سنورتی ہے

بہت دشوار ہے نودولتوں کا آپ میں رہنا ٭ چڑھی کچّے گھڑے کی جب تو مشکل سے اُترتی ہے

سنایا ہے مجھے یہ بارہا آئینے پر رکھکر ٭ ارے دیدار کے بھُوکے تری نیت بھی بھرتی ہے

ٹپکتی ہے بناوٹ اُنکی ہر تحریر سے پھر بھی ٭ کوئی دم خط کے آئینے سے طبیعت تو ٹھہرتی ہے

حفیظ اللہ پر چھوڑو دوائے دردِ دل کب تک ٭ سُنا ہے خود طبیعت بھی مرض کو دفع کرتی ہے

جام لا ساقی کہ کارِ عاشقی آساں نہیں ٭ اے خوشا وہ دل کہ جس دلمیں کوئی ارماں نہیں

جلوہ فرمائے۔ ادائے پرفن پنہاں نہیں ٭ سرنگونِ شوق ہوں شرمندۂ احساں نہیں

انتظارِ حشر بھی ہے اک حجابِ آرزو ٭ ورنہ جورِ پردہ داری شیوۂ جاناں نہیں

اس سراپا لطف سے کیوں بے نیازی کیجیے ٭ جذبِ دل اپنا بجوشِ دیدۂ گریاں نہیں

اضطرابِ عاشقی صرفِ تمنا ہو چکا ٭ مدتیں گزریں کہ وہ بیتابیِ ہجراں نہیں

اِک ذرا اُس مستِ صہبا کو خدارا دیکھیو ٭ وہ لبِ خنداں نہیں وہ شوخیِ مژگاں نہیں

بے تکلف ہوں کہ ہوں بیگانۂ رسمِ ریا ٭ کافرِ عشقِ بتاں ہوں بندۂ ایماں نہیں

آمد آمد ہے اُسی نورِ قیامت خیز کی ٭ آفتابِ حشر غیر از دیدۂ حیراں نہیں

غیرِ حرماں کچھ نہیں آغازِ انجامِ وفا ٭ ہاں سرانجامِ وفا جز تلخیِ حرماں نہیں

کیوں زمانے نے کیا وقفِ پریشانی مجھے ٭ گیسوئے جاناں نہیں میں نکہتِ بستاں نہیں

اے ترا نقشِ کفِ پا سجدہ گاہِ آرزو ٭ کون سر ہے جو ترا سنگِ درِ ایواں نہیں

اے ترا عکسِ تصور سرمۂ چشمِ خیال ٭ کون دل ہے جستجو میں جو تری حیراں نہیں

التزامِ پارسائی اور یہ بیباکیاں ٭ اے صفیر سادہ دل یہ منزلیں آساں نہیں ٭

(صفیر)

ہیرے اور سچے موتیوں کا سفید سرمہ

جسکو جناب بلم سرن نگم صاحب نے بنایا

مصدقہ جناب نامی گرامی ڈاکٹر ڈبلیو آر کرایپر صاحب بہادر ایف۔ سی ایس آئی ایچ آر ایس۔ ایم فیلو۔ آف دی انسٹیٹیوٹ آف سرجری لنڈن

جنکی نسبت لنڈن و کلکتہ و پنجاب آگرہ میڈیکل کالج کے سند یافتہ معزز ڈاکٹران اسسٹنٹ سرجن معزز حکما و صاحبان جج بہادر و مجسٹریٹ صاحبان ڈپٹی کلکٹران بہادر و معزز یورپین صاحبان انگریز بہادر وغیرہ نے بعد تجربہ و استعمال کے ہمکو یہ لکھا ہی کہ آپکا ہیرے و سچے موتیوں کا سفید سرمہ آنکھوں کی بیماری و ترقی روشنی کے واسطے بہت مفید اور سب سے بہتر اور زود اثر ہی جن کے سرٹیفکیٹ بوقت فرمایش آپکی خدمت میں بھیجینگے ملک روس افریقہ اور لنکا وغیرہ کے معزز ڈاکٹران ہندوستان کے معزز ڈاکٹران و حکیم آنکھوں کی بیماریوں و درد کو چھوڑ کر ہماری اس دوا کو استعمال کرتے ہیں ہم نے اصلی عمدہ ہیرے بڑی تلاش سے ہندوستان بہر سے منگوایا ہی سرمہ کا استعمال اور انہیں جلد کامیابی نگاہ ناپ کر ہمارا سرمہ لگایئے دو ہفتے میں روشنی آنکھ بہت بڑھ جایگی آنکھ کے جملہ نقص دور ہو جاینگے عینک کی ضرورت نہیں رہیگی دھند لا و ہلکا آنسو بہنا اور سرخی سوزش کھجلی آنکھوں کے سامنے کالا اندھیرا پلکوں کے اندر کے دانے و سرخی گوہانجنی لکھنے پڑھنے سے آنکھوں کا تکان درد۔ بہت جلد شرطیہ دفع کرتا ہی کمزور نگاہ سے عینک بہت جلد چھوڑ دیجئے۔ پڑوال۔ نیل جالا پھولی۔ ابتدائی موتیا بند ناخونہ ککری آنکھوں میں سرخ ڈورے پڑجانے کو پلکیں گر جانیوالی بیماری کو مفید ہے کمزور آنکھ کو قوت دیتا ہی قیمت سفید سرمہ خواہ سیاہ سرمہ فی تولہ ے محصول ۲ر اپنا نام و ڈاکخانہ و ضلع خوشخط لکھو۔ ورنہ تعمیل نہوگی۔

(۱) عالیجناب ڈاکٹر جی ڈبلیو موڈر صاحب بہادر ایم ڈی ایم بی۔ لنڈن

(۲) عالیجناب ڈاکٹر جوزف و رٹینی و کی آسٹن بہادر ملک روس

(۳) جناب ڈاکٹر ہریچ بی بنرجی صاحب ایل ایم ایس و سرجن کلکتہ

(۴) جناب ڈاکٹر بی این بنرجی صاحب ایل ایم ایس و اسسٹنٹ سرجن میرٹھ

(۵) جناب ڈاکٹر ایل ایل صاحب مڈیسن فوج شاہی ملک افریقہ

(۶) عالیجناب شمس العلما خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب پروفیسر میور کالج الہ آباد

(۷) عالیجناب مولوی شیخ الدین محمد صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر اسسٹنٹ منتظم بندوبست کانپور

(۸) عالیجناب مسٹر سید امین صاحب بی اے بی ایل سب جج بہادر مقام منگلور

۹۔ عالیجناب شاہ محمد ظہیر عالم صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر ضلع سلطانپور

۱۰۔ عالیجناب مسٹر انوار الحسن صاحب چیف جج بہادر حیدرآباد دکن

(۱۱) عالیجناب مسٹر مین بہاری صاحب گرووی ایم ایل ایل بی سشن جج بہادر گونڈہ

(۱۲) عالیجناب مسٹر صاحب بی اے ایل ایل بی جج خفیفہ بہادر کانپور

(۱۳) عالیجناب مسٹر شنکر صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ بہادر مقام منٹگمری

(۱۴) عالیجناب مسٹر ڈی بی صاحب بہادر ریکارڈ ہاربر وسٹ منیجری کانپور

(۱۵) عالیجناب بابو دیبیت لال صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر ضلع اوناؤ

المشتہر نگم کمپنی۔ نیا چوک۔ کانپور

رائیڈل صاحب کی بنائی ہوئی نہایت مجرب ادویہ

مرگال

انتہائی درجے تک کے فسادِ خون کے مریضوں کے لیئے اکسیر۔ مصدقہ ڈاکٹران معالجان
امراض اسغال ۔ ۳۰ گولیوں کی شیشی قیمت دو روپے (عہ)

گونوسان

مشہور تکلیف دہ جاں گداز مرض ریزش پر سوزش مثانے کا حکمی علاج ۔ مشہور اور خاص
معالج ڈاکٹراں کا مصدقہ ۔ ۵۰ گولیوں کی شیشی کے دو روپے (عہ)

بوزیوال

طاقت ور بنانے اور درد اعصاب دور کرنے کی دوا ہسٹریا کی مریض عورتوں کیواسطے
نہایت مفید ہے ۔ کم ہمتی بدخوابی ضعف دل و دماغ کو نافع ۲۴ گولیوں کی قیمت عہ

بوہمبین

کمزوری اور ہر قسم کے ضعف کے لیئے قطعی اور بلاضرر علاج مصدقہ محققان ۔ امراض کو کبھی خطا
نہیں کرتی ۱۲ قرص کی قیمت ایک روپیہ چھ آنے (عہ)

مندرجہ بالا ادویہ کے مفصل حالات میں ایک رسالہ بنام **آب و آتش**
حال میں چھاپا ہے اور مفت تقسیم کیا جاتا ہے **ای برکت اینڈ کمپنی دہلی**
سے طلب کرو ۔ بلا محصول ڈاک ارسال کیا جاوے گا ۔ اور مندرجہ بالا ادویہ اپنے شہر کے
انگریزی دوافروشوں سے طلب کرو ۔ اگر دقت ہو تو **ای برکت اینڈ کمپنی دہلی** سے طلب کرو

وقت اور روپے کی قدر کرو

عام دکانداروں کیطرح ہمارے ہاں دو دو قسمیں نہیں۔ ایک ہی نرخ ہے خواہ خود آکر خریدیں یا باہر طلب فرمائیں۔ بیرونجات کے اصحاب جن کو ہمارے کاروبار کا تجربہ ہو چکا ہے۔ اب ہماری دکان کے سوا اور کہیں اپنی فرمائشیں نہیں بھیجتے اور ہم بھی نہایت **ایمانداری۔ توجہ** اور **مستعدی** سے تعمیل کرتے ہیں۔

اب اسوقت ہمارے ہاں سب قسم کا تازہ مال آگیا ہے۔ فہرست ملاحظہ ہو اور جس چیز کی ضرورت ہو بلا تامل ارشاد فرمایئے فوراً تعمیل ہوگی۔

۱۔ جرابیں اونی و سوتی۔ بنیان گرم۔ سویٹر اعلیٰ قسم کے دستانے ٹوپیاں انگریزی و ہندوستانی۔ بچوں کے بنے ہوئے گرم فراک اور مختلف لباس۔ جاکٹ اونی تولیے۔ مفلر ریشمی و اونی۔ لحاف۔ رومال سب قسم کے۔ دسترخوان سب قسم کے۔ میز پوش۔ کالر۔ نک ٹائیاں ہر قسم اور نئی وضع کی۔

۲۔ ہر قسم اور ہر قیمت کے نہایت عمدہ و خوشنما کمبل صرف قیمت کا اندازہ تحریر فرمائیں حسب منشار تعمیل ہوگی۔

۳۔ ٹینس کا کل سامان نہایت کفایت سے مل سکتا ہے طرح طرح کے نوٹ پیپر و گریٹنگ کارڈ۔ سٹار نیلو قلم مختلف قیمتوں کے۔

۴۔ صابن سب قسم کے ولایتی خوشبویات سب مذاق کے ولایتی ہیر آئل پوڈر ہیر پن ربن وغیرہ وغیرہ

۵۔ چاقو قینچی۔ اُسترے وغیرہ سب قسم کے موجود ہیں۔

۶۔ چھتریاں۔ لکڑیاں۔ سب قسم کی۔

فہرست اشیاء کو کہاں تک طول دیا جائے آپکی ضرورت کی ہر چیز ہمارے ہاں موجود ہے۔ ارشاد کیجئے۔

عبد الرشید برادر جنرل مرچنٹ۔ انار کلی۔ لاہور

مفصل ذیل پرائس لسٹ کارخانہ کارڈ لکھکر طلب فرمایئے

ملاکا بید کی چھڑیوں کا کارخانہ

معزز ناظرین و شائقین مخزن - آج جس کارخانہ کا اشتہار مخزن میں آپکے زیر مطالعہ ہے عرصہ بارہ سال سے شہر سیالکوٹ میں جاری ہے جسمیں چاندی کی منقش شام

ملاکا بید کی چھڑیاں وتارے یعنی قفل بچاؤ۔ اُسترے و دیگر سامان متعلقہ سپورٹس وغیرہ وغیرہ بڑی عمدگی اور صفائی سے تیار ہوتی ہیں۔ جو قدر و منزلت اور شہرت اس کارخانے

کو بسبب اپنے عمدہ و خوشنما اور پائیدار مال کے بہم پہنچائی ہمیں اہل ملک اور خاص کرکے شائقین مخزن کی طرف سے حاصل ہوئی ہے وہ طشت از بام ہے۔ اس کارخانہ کی تیار کردہ اشیاء پر ملک کے گرانقدر و مشہور اخبارات و رسالجات نے وقتاً فوقتاً اپنی مفید رائیں ظاہر کرکے ملک کو مستفید فرمایا ہے۔ مثلاً آپ ناظرین ہی کا رسالہ مخزن۔ پیسہ اخبار لاہور و ہندوستان لاہور و وطن لاہور و رسالہ انوار الاسلام سیالکوٹ وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ان کے سینکڑوں ایم اے بی اے اور بیسیوں اور سوداگروں کے سرٹیفکیٹ موجود ہیں جن کو بوجہ کمی جگہ کے ہدیہ ناظرین کرنے سے عاجز ہیں۔ اخیر میں ہم ان سب صاحبان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہوئے چند چیزیں مع قیمت کے پیش خدمت کرکے امید کرتے ہیں کہ آپ بھی اس کارخانہ کی سرپرستی فرمانا اپنا فرض اعلیٰ سمجھکر اپنی اپنی عنایات صادر فرمائیں گے

(۱) خالص چاندی کے ہنڈل نما منقش شام والا ملاکا بید کا موٹا سوٹا فی عدد سے ر

(۲) " " " ۳-۳ انچہ لمبی شام والا فی عدد سے ر

(۳) " " " منقش شام و بارہ سینگ کے ہنڈل والا " فی عدد عہ

(۴) " " " ہنٹر مع چابک فی عدد عہ

(نوٹ) سوداگر صاحبان کو دس روپے فیصدی کمیشن دیجائے گی۔

آپکی تابعداری و عنایتوں کا طلبگار محمد یار اینڈ سنز دی سپورٹس ورکس شہر سیالکوٹ (پنجاب)

مرکب عشبہ کے اکتالیس فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور ذی علم لوگوں نے کی ہے

فائدہ (۱) جسکی تصدیق ایک سو دس مریضوں نے آپ استعمال کرکے سرٹیفکٹ دیئے ہیں وہ یہ ہیں۔ جب کبھی فسادات خون سے کچھ عرصہ بعد جلد پر سیاہی آجائے چہرے اور جسم پر بدنما سیاہ داغ پڑجائیں یا جوڑوں میں اور ہڈیوں میں درد ہو تو یہ مرکب استعمال کریں تمام دکھ دور ہوجاتے ہیں +

فائدہ (۲) جس کی تصدیق پینتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے وہ بوجہ خرابی معدہ و خرابی جگر بھوک بند ہوجاتی دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے چہرے پر بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے تھے معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی تے کبھی قبض ہوجاتی تھی وہ سب اس کے استعمال سے دور ہوگئے

فائدہ (۳) جس کی تصدیق دو سو مریض آزما کر کرتے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرے پر چھائیاں جسم پر دانے پھوڑے۔ پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہوکر ان سے لیسدار پانی بہکر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہوجاتے تھے +

فائدہ (۴) جس کی تصدیق پینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ ان کی رانوں کا چمڑا سیاہ اور موٹا ہوگیا تھا اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی +

فائدہ (۵) جس کی تصدیق گیارہ آدمی کرتے ہیں۔ خنازیر مختلف حصص جسم میں بغل اور گردن میں دن بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اسکے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں۔ اور آگے پیدا ہونی بند ہوگئیں +

فائدہ (۶) جس کی تصدیق تین سو مریض کرتے ہیں۔ عرصہ سے ناسور اور بھگندر سے پتلی سی پیپ جاری رہتی تھی۔ اس کے استعمال سے ناسور سوکھ گیا +

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر اور سب سے

مصفی خون ہے۔ جہاں بہت سے انگریزی عشبے ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں (کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے شراب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں۔ جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہوتا ہے) اس نے سریع العمل فائدے دکھلائے ہیں۔ اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ جس سے تمام چمڑے کی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں +

یہ مرکب عشبہ پچاس سال سے مختلف حصوں ملک میں تجربہ

کیا گیا ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ تجربہ کرکے ہمارے بیان کی تصدیق فرمالیجئے +

ثبوت کیلئے { اس جوہر کے استعمال سے پہلے بدن کو وزن کرکے لکھ لو۔ اور ایک ماہ بعد وزن کرو۔ وزن ڈیوڑھا ہوجائے گا۔ اور چہرے کا رنگ (خون صاف ہونے سے) کندن کی طرح دمکنے لگیگا +

قیمت
شیشی کلاں (ایک ماہ کے لئے)
تین روپے .... [illegible]

قیمت
شیشی خورد
ڈیڑھ روپیہ { [illegible] }

نادر سرٹیفکٹ دیکھنے چاہو تو شفاخانے سے کتاب مفت طلب کرو۔

پتہ: منیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکما قادری چشتی لاہور موچی دروازہ

محسن الملک پیٹنٹ

یہ اُس نئی وضع کی ترکی ٹوپی کا نام ہے جو ہم نے ابھی انگلستان کے مشہور کارخانہ کرسٹی سے اپنا خاص آرڈر بھیجکر بنوائی ہیں۔

رنگ نہایت خوشنما۔ اور وضع بہت فیشن ایبل۔ استر تمام ولایتی چمڑے کا ہے جس سے ٹوپی کبھی خراب نہوگی۔ یہ ٹوپی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے جن اصحاب نے یہ ٹوپیاں خریدی ہیں وہ بہت پسند کرتے ہیں اور اپنے احباب سے بھی اس ٹوپی کی سفارش کرتے ہیں۔ آپ ایک ٹوپی منگواکر دیکھیئے اگر آپ کو پسند آئے تو اپنے دوستوں کے لیئے بھی طلب کیجئے ہر رنگ اور ہر ماپ کی موجود ہیں۔ قیمت مع پھندنا صرف للعہ۔ محصول ڈاک علاوہ۔

فرمایشیں آنیکے ساتھ سر کا ماپ ضرور آنا چاہیئے۔

عبد الرشید برادرز جنرل مرچنٹ انارکلی لاہور

ویش آپکارک

ہندوستان بھر میں

اکیلا ہفتہ وار

طبی اخبار

ہے جو ہر اتوار کو لاہور سے شائع ہوتا ہے قیمت
سالانہ عہ ششماہی عہ سہ ماہی ۱۲ر سال بھر
کی پیشگی قیمت ادا کرنے پر عمر کی دوائی تحفہ ملتی
ہے اگر آپنے نمونہ ابھی تک نہیں دیکھا تو ابھی
لکھ دیجئے نمونہ مفت بھیجا جاوے گا۔
ویش آپکارک دیکھکر خوش ہوں گے۔

اے ضعف و دیگر امراض ہرج کے مریضو!

اگر مختلف امراض کا علاج کرا کے مایوس بھی ہو چکے ہو تو بھی
تم مجکو صرف ایک کارڈ لکھو میں تم کو وہ وہ نصیحتیں کروں گا
اور تراکیب بتاؤں گا کہ تم پھر سے مرد تندرست اور جوان بن سکو
گے صرف نام مرض اور اپنا نام اور مفصل پتہ خوشخط لکھو۔

پتہ امرت دھارا لاہور

ٹھاکردت شرما وید مالک ویش آپکارک کارخانہ امرت دھارا چوک متی لاہور

اگر

آپنے رسالہ

آبِ حیات

(رجسٹرڈ) جو امرت دھارا
رجسٹرڈ کی تعریف میں ہے ابھی
تک نہ دیکھا ہو تو اسکے بھیجنے
کے واسطے لکھ دیجئے گا۔

رسالہ

تذکرہ عالم باتصویر

اس مرقعے سے عیان ہو دیکھئے ہستی کا حال ٭ کیسے کیسے نامور ہین اس زمین مین پائمال

تاریخی حالات سے دلچسپی حاصل کرنیوالوں اور زمانہ سلف کے نامور مشاہیرون کی اصلی مرقعہ جات کے شائقینونکو یہ مژدہ سنایا جاتا ہی کہ اندنون ہمارے کارخانہ سے مندرجہ عنوان نام کا رسالہ اس آب و تاب کیساتھ شایع ہونا شروع ہوا ہی کہ جسکا ثانی اسوقت تک کوئی دوسرا رسالہ آپکی ملاحظہ سے نہ گذرا ہوگا۔ اسکے ولولہ انگیز تاریخی مضامین اور دلکش جادو اثر تصویرات رنگین اپنی دلفریبی سے زندہ دلونمین بجلی اور پژمردہ دلونمین تازگی کی روح پھونکدینے مین جادو کا اثر رکھتے ہین مولف رسالہ نے اس بات کا بیڑا اٹھایا ہی کہ زمانہ سلف کے تمام اُن نامور اور دلیر بادشاہون۔ راجاؤن۔ خواتین اور رانیون کے مرقعہ جات اصلی کا فوٹو معہ انکی لائف کے ناظرین کے سامنے پیش کرے کہ جن کی دید کا ایک زمانہ مشتاق نظر آتا ہی اور جنکے جسم خاک مین ملکر خاک ہو چکے مگر اُن کا نام اسوقت تک انکے کارنامون کی بدولت نیر اعظم کی طرح صفحہ ہستی پر چمک رہا ہی اور ہمیشہ چمکتا رہیگا بقول کسیکہ

سے رستم رہا زمین پہ نہ سام رہگیا ٭ مردون کا آسمان کے تلے نام رہگیا۔

ناظرین پر یہ بھی واضح رہے کہ مولف نے چالیس ۴۰ سال کی کوشش۔ جانفشانی اور صرف کثیر کے بعد جو ذخیرہ تصویرات صحیح قلمی کا بہم پہنچایا ہے وہ ایک ایسا نادر الوجود قابل دید ذخیرہ ہے جسکے ملاحظہ کو دور دراز ولایتون سے اکثر قدردان یورپین صاحبان تشریف لاکر مولف کی قدر افزائی فرماتے ہین۔ پس اسوقت بپاسخاطر و دلبستگی ناظرین انہین مرقعہ جات نادرہ روزگار کو رنگین چھاپنے اور تصویرات قلمی کے ہم پلہ بنانے مین جو کوشش و سعی کیگئی ہی اسکی قدردانی ناظرین کے ملاحظہ پر موقوف ہی اگر آپ کچھ بھی دلچسپی ایسے مرقعہ جات کی دید سے رکھتے ہون تو ایک مرتبہ رسالہ ہذا کا نمبر اول ضرور طلب فرماکر ملاحظہ کیجیے!

نوٹ یہ رسالہ ماہواری تقطیع کلان ۱۸/۲۲ انچ پر معہ تاریخی مضامین و تصویرات رنگین کے ساتھ میور پریس دہلی سے شایع ہوتا ہی۔ قیمت سالانہ بد پیشگی خاص و عام کیلئے عہ/۱۲ اور ایک نمبر کیواسطے ایک روپیہ دو آنہ معہ محصول ہی۔

درخواست خریداری میور پریس دہلی مین بنام منشی بُلاقیداس مالک کارخانہ ہونی چاہیے

ممیرے کا سرمہ

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل ایگزمینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزی میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں الہان یاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلیے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم ـ دھند جالا ـ پڑوال غبار پھولا ـ بل سرخی ـ ابتدائی موتیا بند ناخنہ پانی جانا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی حاجت نہیں رہتی ـ بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اس لیے کم رکھی ہے کہ خاص و عام اس سرمہ سے فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لیے کافی ہے عہ ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ سے ـ خالص ممیرہ فی ماشہ عہ مصری سرمہ فی تولہ ۲ خرچ ڈاک بذمہ خریدار ـ درخواست کے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں +

المشتہر پروفیسر میا سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

اِن سے بڑھکر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ ممیرے کا سرمہ جو ڈاکٹر میا سنگھ اہلووالیہ نے ایجاد کیا ہے بڑی بیش قیمت اور مفید دوا ہے بالخصوص مفصلہ ذیل امراض کیلیے بمنزلہ اکسیر ہے آنکھوں سے پانی کا بہت جانا ـ دھند ـ سوزش ہر قسم جسکو آنکھ آنا کہتے ہیں ضعف یا کمزوری نظر ـ ناخنہ باہر اور اندر کی جھلی کا زخم جس سے پیپ کا گرنا چونکہ اس سرمہ میں کوئی مضر کیمیاوی شے نہیں ہے اس لیے ہر کسی کے لیے اسکا استعمال مفید ہے ـ مفصلات میں جہاں ڈاکٹروں کا ملنا محال ہے وہاں ایسی مفید دوا کو ضرور پاس رکھنا چاہیے اسلیے میں بلا شک و شبہہ کہہ دیتا ہوں کہ ہر گھر میں امراض کیلیے ممیرے کا سرمہ ضروری مفید ہے +

راقم ڈاکٹر ایم بی ـ ڈانگلی صاحب بہادر ایم ڈی ایس سند یافتہ یونیورسٹی ایڈنبرگ انگلینڈ ـ امرت سر

(۲) جناب سردار صاحب تسلیم میں نے آپ کا ممیرے کا سرمہ استعمال کیا میں تصدیق کرتا ہوں کہ بیشک یہ سرمہ کمزوری چشم کے لیے بہت مفید ہے ـ میری آنکھیں آجکل کمزور تھیں لکھنا پڑھنا ایک بڑا کام کرنے سے معذور ہو جاتا تھا اب میری یہ کیفیت ہے کہ صرف چار روز کے استعمال سے تین دن ہیں بلکہ تمام روز اچھی طرح کام کر سکتا ہوں ـ راقم میاں خورشید محمد خاں خلف نواب یسین محمد خاں

پانسو روپیہ انعام } اگر کوئی شخص ممیرے کو سرمہ کی سندات میں سے جو قریب تین سو کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کر دے انکو پانسو روپیہ انعام دیا جائیگا جو لاہور بنک میں اسی طلب کے لیے مارچ ۱۹۰۶ء سے جمع کیا گیا ہے +

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی
(دوا سازان ڈیٹرائیٹ ملک امریکہ کی)
مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس وائن آف کاڈلور آئیل

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر مع کشتہ فولاد۔ پاکیزہ بلا بو اور بلا مالش مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہترین علاج عمر دراز +

اسٹرنس ہیڈیک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر زود اثر یقینی فائدہ رساں دوا نقلی مت خریدو صرف اسٹرنس کی اصلی ہے ۱۲ قرص ۱۲؍

اسٹرنس امول ٹروکیز

ان سے خارش حلق۔ کھانسی و آواز کی بھرّاہٹ دور ہوتی ہے۔ خوشنما اور خوش ذائقہ قرص قیمت ۴؍ فی بکس ۱۰۰ قرص +

اسٹرنس پپزائمیس

غذا ہضم کرنے کیلیے بہترین دوا۔ نہایت سستی۔ زود اثر کامل طور سے آلاتِ ہضم کو درست کرتی ہے ۱؍ فی شیشی +

اسٹرنس ٹھیلائڈس

کسی قسم کی اور کیسی ہی مثانے کی بیماری ہو اسکے استعمال سے دور ہو جاتی ہے اس سے بہتر ان بیماریوں کے واسطے کوئی اور دوا نہیں۔ آجتک کبھی ناکامیاب نہیں ہوئی ہے۔ گولیوں کی شیشی ۲؍

رسالہ رفیق مریضان جس میں اور ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں ٹائمس ایڈورٹائزنگ ڈپو کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کریں

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دکاندار فروخت کرتے ہیں